صفر 1436ھ

دسمبر 2014ء

ماہنامہ

المرشد

عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ رَجُلاً فِیْ حِجْرِہٖ دَرَاھِمُ یَقْسِمُھَا وَاٰخَرُ یَذْکُرُ اللّٰہَ کَانَ ذَاکِرُ اللّٰہِ اَفْضَلُ (رواہ الطبرانی)

نبی کریمؐ نے فرمایا کہ اگر ایک آدمی کے پاس بہت سا مال ہو اور وہ اسے تقسیم کر رہا ہو دوسرا شخص اللہ کے ذکر میں مشغول ہو تو ذکر کرنے والا افضل ہے۔

فنا فی الرسول سے مراد کیا ہے؟ اپنی رائے نہ رہے ارشاداتِ رسالت پناہی رہ جائیں۔

ماہانہ بیان اکتوبر 2014ء جمعہ نمبر 12

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

Mosque of Al-Hakim, Medieval Cairo, Egypt

تصوف

تصوّف کیا ہے؟

زیور میں ڈھالنے کے لیے سونا آگ پر پگھلایا جاتا ہے۔ اس پر آنے والی جھاگ کو نتھار کر الگ کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسانی مزاج کی بھی ہر لحظہ تراش خراش لازمی امر ہے۔ ہر لحظہ وسوسوں کی زد میں رہنے والا نفسِ انسانی اور خواہشات کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زن نفس کبھی ایک حالت پر نہیں رہ پاتا۔ کبھی نیکی کر لی اور کبھی گناہ کی طرف لپکے، پھر خود ہی اس گناہ پر ملامت کر لی تو بندے کی ایسی گرتی پڑتی حالت کب منزل پر پہنچ پائے گی! منزلِ مقصود تو رضائے الٰہی ہے اور ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جنت ہے۔ جنت میں داخلے کے لیے اس نفس کو نفسِ مطمئنہ بنانا لازمی ہے۔ نفس مطمئنہ دراصل قلب مطمئنہ کا مرہونِ منت ہے۔ جس کے حصول کا ایک ہی نسخہ قرآن پاک نے عطا فرمایا ہے اور وہ ہے ''ذکر اللہ''۔ اللہ کا نام اس طرح سے دہرایا جائے کہ وہ قلب میں سما جائے اور قلب اللہ کی ذات کے ساتھ قرار پکڑے، کہ حالات جیسے بھی درپیش ہوں اسے قرار اطاعتِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی میں ہی ملے۔ اس مجاہدے کو تصوف کہتے ہیں۔ حصول اخلاص کے لیے محنت تصوف ہے۔ ہر وہ ملاوٹ جو نیت یا عمل میں شامل ہو جاتی ہے۔ ریا ہو یا عجب، بخل ہو یا بغض اس کو چھانٹ کر الگ کرتے رہنے کا مسلسل عمل تصوف ہے۔ قلب کو چمکا کر اللہ کے رُوبرو لانے کا عمل تصوف کا مقصد ہے اور جب قلب منور ہو جاتا ہے تو صرف رضائے الٰہی کا طالب بن جاتا ہے اور اسی نیت سے ہر کام کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان لوگوں کی مدح و مذمت سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور صرف اللہ کی بارگاہ میں سُرخرو ہونا چاہتا ہے۔ دل کا یہ حال تصوف ہے۔

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

دسمبر 2014ء صفر المظفر /1436ھ

جلد نمبر 37 شمارہ نمبر 04

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن مینیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقۂ ذکر		7
ماہانہ بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	16
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	21
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	27
ہجرت ۱ ھ	علامہ شبلی نعمانیؒ	33
ذکر قلبی	مولانا خالد محمود، بہاولپور	38
باتیں ان کی خوشبو خوشبو	حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ	41
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	43
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	45
مساعی جمیلہ	الاخوات، لاہور	48
The Objective of Supplication	Ameer Muhmmad Akram Awan MZA	54
A LIFE ETERNAL CH:22	Abul Ahmadain Translation : Naseem Malik	56

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن و رابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس ✕ کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم **اسرار التنزیل** سے اقتباس

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ............ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ (البقرہ: 42-43)

سچ کو جھوٹ کے ساتھ اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو اور سچائی کو نہ چھپاؤ کہ تم خوب جانتے ہو۔ کیونکہ علمائے یہود و نصاریٰ تو نہ صرف حضور اکرم ﷺ بلکہ صحابہ کرامؓ تک کے اوصافِ حمیدہ سے اس قدر واقف تھے کہ صرف حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بیت المقدس سپرد کر دیا تھا کہ ہماری کتابوں کی پیشگوئی کے مطابق یہ وہی شخص ہے جس کے ہاتھ پر فتح مقدر ہے۔

حق پر قائم رہنے کے لیے صلوٰۃ قائم کرو اور مال میں سے فرض صدقات ادا کرو، نیز بدنی اور مالی عبادات پوری محنت سے کرو یہی تقاضائے ایمان ہے۔ اقامت صرف پڑھنے کو نہیں کہا جاتا بلکہ صلوٰۃ کی جُملہ شرائط جسم اور لباس کی طہارت، وضو، وقت، باجماعت اور پھر ارکانِ صلوٰۃ کا پورا پورا خیال رکھنا۔ قیام، رُکوع، سجود، جلسہ وغیرہ تمام اُمور کی نگہداشت کرنا بلکہ اس سے بڑھ کر تلقین اور تبلیغ بھی اقامتِ صلوٰۃ کا شعبہ ہے اور زکوٰۃ ادا کرنے والے بنو نیز رُکوع کرو، رُکوع کرنے والوں کے ساتھ۔

یہاں سے اکثر حضرات وجوبِ جماعت کو ثابت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بغیر عذرِ شرعی، مرد کے فرائض پنجگانہ گھر میں ادا ہی نہیں ہوتے اور سُستی و تساہل عذرِ شرعی میں داخل نہیں۔ اس کے علاوہ حدیث شریف میں جو تاکید ہے وہ بھی یہی ظاہر کرتی ہے کہ جہاں تک اذان کی آواز پہنچتی ہے لوگوں کو نماز کے لیے حاضر ہونا چاہیے اس میں لاؤڈ سپیکر شرط نہیں بلکہ متوسط آدمی کی آواز۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے ایک نابینا صحابیؓ کو بھی رُخصت نہ فرمائی تھی۔ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا آپس میں متحد ہونا بھی ضروری ہے اور یہ رَوش کہ ہر مسجد والا دوسری مساجد والوں پر طعن کرے ناجائز اور سخت نامناسب ہے، عجب حیرت ہے کہ لوگوں کو کافر بھی مساجد میں ہی نظر آتے ہیں کبھی جواخانوں میں جانے والوں اور فحاشی کے اڈوں پر راتیں بسر کرنے والوں سے کچھ نہیں کہا جاتا حالانکہ یہ اُمور بھی گناہ کبیرہ ہیں کُفر نہیں۔ علمائے حق نے سچے مسلمان کے اوصاف میں یہ وصف بھی نقل کیا ہے کہ اگر وہ دین کے کام میں مخلص ہے تو دوسرے کے اُسی کام کو کرنے سے خوش ہوگا، نہ حسد کرے گا جو آجکل عام ہے۔

اداریہ

صفرالمظفر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ O (سورۃ الحجرات:1)

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے پیغمبر (کی اجازت) سے پہلے تم سبقت نہ کیا کرو (بولا نہ کرو) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سننے والے اور جاننے والے ہیں۔

قرآنِ کریم میں کسی چیز کا فرما دیا جانا ہی اس بات یا اس امر کے لیے حتمی فیصلے کی حیثیت رکھتا ہے اور بحیثیت مسلمان یہی ہمارا عقیدہ ہے۔

اس دفعہ، اداریہ لکھنے کے لیے، حسب سابق، اسلامی مہینہ پہ تحقیق کر رہا تھا تو اس اسلامی مہینے، صفرالمظفر، جو کہ دوسرا اسلامی مہینہ ہے، سے متعلق بے شمار توہمات اور باطل عقائد دیکھنے کو ملے۔ یہ باتیں کسی حد تک پہلے بھی سننے کو ملتی تھیں لیکن اس مرتبہ یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی کہ غلط عقائد کے ضمن میں من گھڑت احادیث کے حوالہ جات بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ یہاں تک سننے، پڑھنے کو ملا کہ" آسمانِ دنیا سے زمین والوں پر دس لاکھ اسی ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں جن میں سے نو لاکھ بیس ہزار صرف ماہ صفر میں نازل ہوتی ہیں"۔ (نعوذ باللہ)

اس کے علاوہ انبیاء ورسل کو ترویج دین کے سلسلے میں پیش آنے والے بے شمار من گھڑت مصائب کے واقعات اسی ماہ کے حوالے سے پھیلائے جا رہے ہیں۔

قرآن کریم سے، بحیثیت مسلمان، راہنمائی لینی ہو تو مندرجہ بالا آیہ کریمہ کی طرح بہت سی جگہوں پر یہی احکامات ملتے ہیں کہ دورِ جاہلیت کے عقائد ہوں یا بطورِ توارث رواجات ملیں، ان کی کسوٹی قرآن وحدیث کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ آیئے! حدیثِ نبوی ﷺ سے صفر سے متعلق راہنمائی لیتے ہیں۔

لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ وَفِرَّ مِنَ الْمَجْزُوْمِ كَمَا تَفِرُّ مِنَ الْاَسَدِ

ایک شخص کی بیماری کا (اللہ کے حکم کے بغیر خود بخود) دوسرے کو لگ جانا، بدفالی، نحوست اور صفر (کی نحوست وغیرہ) یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اور مجذوم شخص (کوڑھی) سے اس طرح بچو جس طرح شیر سے بچتے ہو۔ (بخاری باب الجزام۔ حدیث نمبر 5380)

قرآن کریم اتباعِ محمد رسول اللہ ﷺ کا حکم دیتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ منع فرما رہے ہیں کہ صفر سے متعلق آفتوں اور مصیبتوں کا اعتقاد رکھنا غلط ہے۔

یہاں سے ایک اور بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ مبارک میں بھی اگر صفر سے متعلق سوال پیدا ہوا تو لامحالہ اس ماہ سے متعلق یہ عقائد زمانۂ جاہلیت سے چلے آ رہے ہیں۔ اور نبی کریم ﷺ نے زمانۂ جاہلیت کے تمام رسومات، رواجات اور توہمات رد فرما کر ہمیں وہ عقائد، عبادات اور معاملات تعلیم فرمائے جو خالق کے قرب کا واحد ذریعہ اور ہمارا مقصدِ تخلیق ہیں۔

صفر کا لغوی معنی "خالی ہونا" ہے۔ اس مہینے میں عربوں کے گھر عموماً خالی رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے حرمت کے چار مہینوں، رجب، ذوالقعد، ذوالحجہ، محرم میں آخری تین مہینے لگا تار آتے، جن میں وہ جنگ بندی کے پابند ہوتے تھے، محرم کے بعد یہ جنگجو قوم، جنگوں کے تسلسل اور سفر وحضر کے معاملات کو چل دیتی اور ان کی آبادیاں خالی ہوا کرتی تھیں۔ یہی اس مہینے کی وجہ تسمیہ ہے۔ (ابنِ کثیر)

تاریخ اسلام کے بے شمار واقعات میں سے چند واقعات بیان کرتا ہوں۔

ماہ صفر 2ھ میں قرآن کریم کی سورۃ الحج (آیت نمبر 39) نازل ہوئی، جس میں کفار کے ساتھ قتال کی اجازت ہوئی۔ (تفسیر قرطبی)

ماہ صفر 2ھ ہی میں حضرت فاطمہؓ کا حضرت علیؓ سے نکاح ہوا۔ (عہدِ نبوت کے ماہ وسال)

ماہ صفر 16ھ میں کسریٰ کا قصر ابیض فتح ہوا۔ جس کی پیش گوئی نبی اکرام ﷺ نے پہلے ہی فرما دی تھی۔

اب ان واقعات کی روشنی میں دیکھیں تو حیاتِ مبارکہ میں زندگی کے کس پہلو میں معاملاتِ دنیا چھوڑ دیے گئے؟

فقط یہی بات سمجھ آتی ہے کہ جتنی کاوش اور کوشش ہم حصولِ علومِ دنیوی میں صرف کرتے ہیں، شاید اس کا چوتھائی حصہ بھی حصولِ علومِ دینیہ کے لیے صرف نہیں کرتے۔

مگر! دینِ اسلام کو دانستہ جاننے کی کوشش نہ کرنا روزِ حشر کوئی عذر نہ ہوگا۔

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

- گردِ سفر
- متاعِ فقیر
- آس جزیرہ
- کون سی ایسی بات ہوئی ہے
- نشانِ منزل
- سوچ سمندر
- دیدہ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضان نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

نعت

اپنی خاطر تو یہ جنت کی ضمانت ہو گی
ہو اگر کٹیا کوئی دشت و صحرا میں نصیب

اپنی قسمت پہ کروں ناز مَیں جتنا، کم ہے
ہو بسیرا جو مرا شہرِ محمد ﷺ کے قریب

رونقیں جس کی جواں اور فضائیں روشن
کیف ایسا کہ جسے صرف کہا جائے عجیب

ہیں تونگر ترے کوچے کے گدا بھی آقا
تجھ سے کوئی دُور ہو جتنا ہے وہ اتنا ہی غریب

یہ دلِ بیمار ہے مَیں پیش کرتا ہوں اسے
یہ مریضِ لادوا ہے اور تُو حاذق طبیب

ہے مرا مرض پرانا بھی خطرناک بھی ہے
اس کی دوا خاک میں ہے تیرے قدموں کے قریب

نام کا سیمابؔ ہے اِک خاک کی مٹھی آخر
تیری راہوں کی بنے خاک جو یاور ہوں نصیب

"حمد و نعت" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1۔ جنت کے حصول کا راستہ فطرت کا راستہ ہے، جہنم کا راستہ اس لیے مشکل ہے کہ برائی کرنا ہزار مشکلات کو دعوت دینا ہے۔

2۔ دین کے نام پر رُسومات جاری کرنا اتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ ایسے لوگوں کا ایمان سلب کر لیتا ہے اور انہیں ہدایت سے محروم کر دیتا ہے۔

3۔ جب بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ اس پر اللہ کے اتنے احسانات ہیں کہ وہ اللہ کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا تو یہ شکر ہے۔

4۔ مومن کے اُمورِ دنیا بھی اطاعتِ الٰہی کا رُوپ اختیار کر کے درجۂ عبادت کو پا لیتے ہیں۔

5۔ اہل اللہ کا نصاب شروع ہی ذکرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔

6۔ ایذائے رسول ﷺ سے بڑا کوئی جرم نہیں۔ یہ ایسا جرم ہے کہ یہ توبہ کی توفیق بھی سلب کر لیتا ہے۔

7۔ دُنیا بھر کے معاشی نظاموں پر اسلام کی برتری ہے کہ یہ خرچ پر بھی اللہ کا حکم نافذ کرتا ہے۔

8۔ ذکرِ الٰہی سے مراد اپنی بڑائی نہیں، کرامات کا حصول نہیں، مستجاب الدعوات بننے کی بات نہیں، ذکرِ الٰہی سے مراد صرف رضائے الٰہی ہے کہ اللہ کریم راضی ہو جائیں۔

9۔ دُنیا کی نعمتیں باد و باراں سے، سورج کی گردش سے پیدا ہوتی ہیں، روح کی نعمتیں انوارات انبیاءؑ سے پیدا ہوتی ہیں، قرآن حکیم کی آیات سے پیدا ہوتی ہیں۔

10۔ محبت ایک رشتہ ہے جو اغراض سے پاک ہے جو اُن دو دلوں کے درمیان قائم ہوتا ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے آباد ہوتے ہیں۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

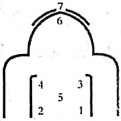

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

12 اکتوبر 2014

اطاعتِ رسول ﷺ کے تقاضے

ماہانہ بیان اجتماع

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ O اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ وَ لَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُ وا اللّٰہَ وَ اسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا [النساء:64]

اَللّٰھُمَّ سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَا اِلاَّ مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ O مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمٖ۔

جتنے رسولؑ مبعوث فرمائے گئے سب کا منصب جلیلہ یہ تھا کہ لوگ ان کی اطاعت کریں، ان پر ایمان لائیں، ان کا اتباع کریں، بعثتِ رسولؑ کا مقصد ہی یہ ہے۔ جتنے انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے اوران پر وحیٔ الٰہی آئی، وحی کے ذریعے لوگوں کی راہنمائی کی گئی۔ ایک بات تو یہ ہے کہ وحی کی دو قسمیں ہیں وحی مَتلُوّ اور غیر مَتلُوّ۔ ایک وہ وحی ہے جو قرآن کریم ہے۔ اس کی تلاوت بھی کی جاتی ہے اور تلاوت کرنا بجائے خود الگ سے ایک عبادت ہے۔ سمجھنا، عمل کرنا تو مقصد ہے، بہت اعلیٰ ہے لیکن سمجھ نہ بھی آتی ہو تو بھی تلاوت کرنا بجائے خود ایک عبادت ہے اور دل کو روشن کرتی ہے اور یہ اعزاز صرف آقائے نامدار ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ پر وحی مَتلُوّ بھی نازل ہوئی، آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک جتنی وحی نازل ہوئی وہ غیر مَتلُوّ تھی یعنی اس میں مَتلُوّ اور غیر مَتلُوّ کا فرق یہ ہوتا ہے کہ غیر مَتلُوّ وحی وہ ہے جس میں مفاہیم اللہ کی طرف سے ہیں لیکن الفاظ پیغمبر ﷺ کے ہیں، مَتلُوّ وحی وہ ہے جس میں الفاظ بھی اللہ کے ذاتی کلام کے ہیں اور مفاہیم بھی اللہ کی طرف سے ہیں تو نبی کریم ﷺ دونوں طرح کی وحی سے سرفراز فرمائے گئے۔ قرآن کریم وحی مَتلُوّ ہے جس کے الفاظ بھی اللہ کی طرف سے ہیں مفاہیم بھی اللہ کی طرف سے ہیں اور ساری حدیثِ پاک وحی غیر مَتلُوّ ہے۔ ساری حدیثِ پاک وحی الٰہی ہے لیکن وہ غیر مَتلُوّ ہے یعنی مفاہیم اللہ کی طرف سے ہیں، الفاظ آقائے نامدار ﷺ کے ہیں۔ اللہ کریم کی طرف سے خطاب ہونا، اللہ کریم سے ہم کلام ہونا جیسے موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہم کلامی ملا، ان کا نصیب تھا لیکن یاد رہے کہ یہ نعمت بہت کم ہوتی ہے، انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی حتیٰ کہ ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء ہیں، خلیل اللہ بھی ہیں، ان کی زندگی میں ان کو چوبیس بار وحیٔ الٰہی نصیب ہوئی۔ جہاں تک میری نظر سے گزرا یا میرا مطالعہ ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ پہلی اُمتوں میں پہلے انبیاء علیہ السلام میں جنہیں سب سے زیادہ وحیٔ الٰہی سے سرفراز فرمایا گیا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے اور ابراہیم علیہ السلام پر زندگی بھر میں چوبیس بار وحیٔ الٰہی نازل ہوئی۔ باقی انبیاء علیہم السلام پر اس سے بھی کم ہے۔ کم وبیش کہیں سولہ بار، کہیں آٹھ بار، کہیں دس بار کیونکہ وحیٔ الٰہی سے، اللہ کے کلامِ ذاتی سے اس عالم میں سرفراز ہونا یہ بڑی عجیب بات ہے۔ یہ عالم ان تجلیات کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا اور کوئی غیر نبی تو اس کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی فضیلت ہے کہ ان کے مادّی وجودِ عالی اور بشری وجود بھی اتنے لطیف،

اتنے نظیف، اتنے پاک، اتنے منزہ اور اس پائے کے ہوتے ہیں کہ وحیٔ الٰہی کو قبول فرمالیں۔

حضور اکرم ﷺ اس میں بھی منفرد مقام رکھتے ہیں کہ یہ اکیلی ذات ہے حضور سرورِ کائنات ﷺ کی حیاتِ مادی میں آپ ﷺ پر چوبیس ہزار مرتبہ وحیٔ الٰہی نازل ہوئی اور وحی مَتلُو ہی جمع ہو کر قرآن کریم بنا۔ جب کوئی کتاب اللہ کی تلاوت کرتا ہے تو وہ وہی الفاظ اپنی زبان سے، اپنے لبوں سے ادا کر رہا ہے جو اللہ کے ذاتی ہیں پھر وہ حضور سرورِ کائنات ﷺ کے لب ہائے مبارک پر جاری ہوئے اور پھر سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچے۔ قرآن کریم کی صرف تلاوت ہی وہ اعزاز ہے جو بدن کے ذرے ذرے کو روح کی گہرائیوں تک پاک کر دیتی ہے۔ شاید آج اسے اہمیت نہیں دی جاتی لوگ ناول اور افسانے پڑھنا پسند کرتے ہیں قصے کہانیاں پڑھنا پسند کرتے ہیں شعر وشاعری پہ عمریں لگا دیتے ہیں بے شمار دیگر مضامین پڑھتے ہیں اور پڑھنے چاہییں، دُنیا بھر کے علوم سیکھنے چاہییں، حاصل کرنا چاہییں جاننا چاہیے اس لیے کہ علم مومن کی میراث ہے۔ یہاں تک کہ جادو حرام ہے لیکن علمائے کرام فرماتے ہیں جادو کرنے کے لیے نہیں اس کو دور کرنے کے لیے اگر کوئی علوم ہوں تو وہ بھی سیکھے جائیں۔ حالانکہ جادو کرنا ایک حرام کام ہے، ناجائز کام ہے، شرعاً منع ہے لیکن فرماتے ہیں کہ اگر جادو سے بچاؤ کے لیے کوئی علوم ہوں تو وہ بھی سیکھے جائیں اور وہ علوم بھی جیسے صنعت وحرفت کا علم، چیزوں کو بنانے جوڑنے کا علم جسے آج کی زبان میں آپ ٹیکنالوجی کہتے ہیں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک کا جو عرصہ ہے یہ سارا انسانیت کا ابتدائی اور بچپن کا عرصہ ہے۔ اس میں روزمرہ کے اُمور سیکھنا ہی دین تھا اور ان پر عمل کرنا ہی دین تھا کہ زراعت کیسے کرنی ہے، بیج کیسے بونے ہیں، لباس کیسے بنانا ہے، روئی کیسے اُگانی ہے، اس سے دھاگہ کیسے بنے گا، اس سے لباس کیسے بنایا جائے گا؟ لباس کیسا ہونا چاہیے، کس طرح وہ بدن کو ڈھانپیں، کیسے وہ خوبصورت اور اچھا لگے، کھانا کھانے کے لیے چیزیں کیسے اُگائی جائیں، پھلوں کی حفاظت کیسے کی جائے یہ ہی عبادات تھیں۔ یہ اعمال میں جو احکام نازل ہوئے یہ نوح علیہ السلام پر پہلی مرتبہ اور پھر اس کے بعد جب انسانیت بچپن سے نکل کر لڑکپن میں آئی تو پھر عبادات، احکامات اور ان کے طریقے نازل ہوئے ورنہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک تو محض زندگی گزارنے کے طریقے سیکھنا ہی دین تھا۔ آج بھی اگر کوئی ٹیکنالوجی سیکھتا ہے تو وہ دین ہی ہے بشرطیکہ اسے دینی حدود کے اندر استعمال میں لایا جائے، انسانیت کی بہتری کے کام میں لایا جائے اور جائز اُمور پہ اسے خرچ کیا جائے تو وہ سارا دین ہے۔

فرمایا جتنے رسول، جتنے انبیاء علیہ السلام ہم نے بھیجے ان سب کا منصب جلیلہ یہ تھا کہ لوگ بے چون و چرا، ان کی اطاعت کریں یعنی نبیؑ کی اطاعت میں اعتراض کی، سوال کی گنجائش نہیں ہوتی۔ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا۔ سن لیا اور اطاعت قبول کر لی اور اس پر عمل کریں گے، کوئی اعتراض یا سوال کی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ نبیؑ جو فرماتا ہے وہ اللہ کی طرف سے فرماتا ہے اور اللہ کائنات کا مالک ہے اور اس کا حق ہے کہ وہ جو حکم دے اس کی تعمیل کی جائے تو فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ... ہر نبیؑ، ہر رسولؑ اس غرض سے مبعوث کیا گیا کہ اللہ کے حکم سے اس کی بے چون و چرا اطاعت کی جائے، یہ منصب تو ہر رسولؑ کا ہے اور پھر جس رسول ﷺ پر رسالت اور نبوت مکمل ہوئی، اس کے بارے کہنا کہ نبوت ختم ہوگئی بات درست ہے لیکن لوگ اس میں تاویلیں گھڑنے کے عادی ہو گئے ہیں اور ختم کو اور خاتم کو انگوٹھی اور مہر کے معنی میں لے لیتے ہیں کہ نبیؑ کی مہر سے آگے نبوت جاری ہے۔ اس طرح کی خرافات لوگوں نے گھڑلیں تو بہتر انداز یہ ہے کہ کہا جائے کہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت تکمیلِ نبوت ہے اور مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر نبوت کو ایک عمارت تصور کیا جائے اور کوئی اس عمارت کو دیکھے اور اس کے گرد چکر لگائے اس کی تعمیر اس کی بناوٹ کو دیکھے وہ کہے گا کہ یہاں ایک اینٹ یا ایک سل کی جگہ خالی ہے باقی ساری عمارت مکمل ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے

توفرمایا فَأَنَا اللَّبِنَة... (بخاری) وہ آخری اینٹ میں ہوں میری ذات ہے میری بعثت سے جو رسالت ونبوت کی عمارت تھی وہ مکمل ہوگئی اب اس پر کوئی نئی سل، نئی اینٹ، نئی تعمیر نہیں ہوگی تو یہ تکمیلِ نبوت ہے۔ پھر وحی متلوّ سے بہت زیادہ نوازا گیا نبی ﷺ کو کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں چوبیس ہزار مرتبہ وحی متلوّ نازل ہوئی۔ وہ وحی جس سے قرآن کریم بنا۔ یہاں تو دم مارنے کی گنجائش ہی نہیں یعنی ہر نبیؑ کا منصب جلیلہ ہے لیکن آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں، یہاں سوائے اطاعت کے کوئی دوسرا رشتہ ہے ہی نہیں۔ حضور ﷺ کے ساتھ عقائدو نظریات میں، ایمانیات میں، معاملات میں، عبادات میں، ہر حال میں، ہر کام میں اطاعت ہے۔ بڑا مشکل کام ہو جائے گا، اللہ کریم نے اسے آسان کر دیا کہ یہ مشکل نہیں ہے۔ تمہاری ضرورتیں کیا ہیں؟ تمہاری ضرورت ہے کھانا، کھانے کے لیے ضرورت ہے کمانا، تو ضروریات یہ ہوئیں کھانا پینا، لباس، گھر بنانا، والدین کی خدمت، بہن بھائیوں سے تعلقات، اولاد کی پرورش پھر معاشرے سے تعلقات، ماحول سے، عزیز واقارب سے، علاقے سے، ملک سے، قوم سے، بین الاقوامی اُمور سے متعلقہ اُمور۔ فرمایا، سارے کام کرو شرط یہ ہے کہ اس کام کے کرنے کا جو طریقہ اور سلیقہ حضور اکرم ﷺ نے بتادیا اسی کے مطابق کرو تو یہ ہی سارے کام عبادت ہیں۔ نمازیں فرض ہیں اس لیے کہ تم اللہ کے بندے ہو اور تمہیں یہ عظمت عطا کی گئی ہے کہ تم بار بار اللہ کی بارگاہ میں حاضری دے سکو۔ دن کی ابتدا حضورِ حق سے کرو، بیداری کے وقت فجر کی نماز ادا کرو۔ کام کاج پہ نکل گئے، آدھا کام، آدھا دن گزر گیا تو ظہر کے وقت پھر حاضری لگواؤ، مشکلات عرض کرو، آسانیاں مانگو، مدد مانگو، کرم چاہو۔ عصر تک عموماً کام بند ہو جاتے ہیں، چھٹی ہو جاتی ہے تو پھر بارگاہِ الوہیت میں حاضری دو کہ میں دُنیا کے اُمور سے فارغ ہو گیا، الحمدللہ! آپ کی مدد، آپ کے کرم سے اچھا ہو گیا، دن بہتر گزر گیا۔ دن ڈوب جاتا ہے، اگلا دن شروع ہو جاتا ہے۔ اسلام میں سورج ڈوب گیا تو اگلا دن، اگلی تاریخ شروع ہو جاتی ہے۔ دن ختم ہو گیا تو پھر حاضری دو کہ اللہ! میرا دن، ایمان اور نیک اعمال کے ساتھ ختم ہو گیا یہ تیرا احسان ہے۔ سونے پہ جانے سے پہلے پھر حاضری دو۔ ان پانچ حاضریوں سے اس اُمتِ عظیمہ کو نوازا گیا تو ان میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ایک ہستی سے آپ صبح ملاقات کریں۔ وہ ہستی آپ کی حاکم بھی ہے، آپ کی محسن بھی ہے آپ کی ساری ضروریات بھی پوری کرتی ہے، آپ کو ہر طرح کی ہر مدد فراہم کرتی ہے، آپ کے ایک ایک سانس کے آنے جانے کو، دل کی ہر دھڑکن کو قائم رکھنے کی ذمہ دار ہے، اس کے آپ پر بے پناہ احسانات ہیں۔ آپ صبح اُٹھ کر اس کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں، ملتے ہیں، ملاقات کرتے ہیں تو دو چار گھنٹے جو کام پر جائیں گے تو کیا اس کی عظمت دل سے نکل جائے گی؟ ظہر کو پھر حاضری دیتے ہیں پھر تعلقات میں تازگی آجاتی ہے، ایمان تازہ ہو جاتا ہے، کام ختم کر کے پھر جائیں تو پانچ بار سونے جاگنے کے اوقات میں بھی بندے کو حیا رہتی ہے۔ اسی لیے فرمایا اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ (العنکبوت: 45) بے شک نماز اور عبادت بے حیائی اور برائی سے بچاتی ہے تو نماز اور عبادت ایمان کو تازگی دینے، مضبوط کرنے کے لیے ہیں ورنہ مومن کا ہر کام اگر وہ حضور ﷺ کے اتباع میں کرتا ہے، عبادتِ الٰہی ہے۔ کھانا کھانا بھی عبادت ہے، سونا بھی عبادت ہے، بچے پالنا بھی عبادت ہے، گھر بنانا بھی عبادت ہے، لباس بھی عبادت ہے، سواری بھی عبادت ہے، اگر جائز حلال وسائل سے کیے جائیں دوسروں کا حق نہ چھینا جائے۔ ایک صحابیؓ رسالت پناہی میں حاضر ہوئے تو آپؓ کا لباس بھی میلا تھا اور بال بھی بکھرے ہوئے، حجامت بھی نہیں ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے استفسار فرمایا، کہ تمہارے پاس گھر میں کھانے پینے کے لیے، رہائش کے لیے کچھ ہے تمہارا گزارا کیسے ہوتا ہے؟ عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ! بڑا خوشحال ہوں، میرے پاس جائیداد بھی ہے، بھیڑ بکریوں کا ریوڑ بھی ہے، سواری کے گھوڑے بھی ہیں، اللہ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے لباس سے اور تمہارے حلیے سے تو اس کا اظہار نہیں ہوتا۔

لباس اپنی حیثیت کے مطابق پہنو، بالوں کو سنوارو، درست کرو، حجامت بناؤ، اور خوبصورت صاف طریقے سے رہو۔ تمہیں دیکھ کر نظر آنا چاہیے کہ تم پر اللہ کا اتنا احسان ہے یہ بھی اللہ کا شکر کرنے کا ایک طریق ہے۔ وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ [الضحیٰ: 11] اللہ کی نعمتوں کو بیان کرو اور یہ بیان کرنے کا بھی ایک انداز ہے کہ آپ کو دیکھ کر بندہ اندازہ کر سکے کہ اس پر اللہ کی نعمت ہے لیکن وہ اللہ کی نعمت ہونی چاہیے چھینا جھپٹی سے یا دوسروں کو لوٹ چھین کر نہیں۔ اب انسان ہے، معاشرے میں رہتا بستا ہے بے شک وہ ایمان بھی لایا، الحمدللہ! بے شک وہ اتباع کی کوشش بھی کرتا ہے لیکن پھر بھی نفسِ انسانی بھی ہے، شیطان بھی ہے، یہ دو دو شکاری پیچھے لگے ہوئے ہیں تو کبھی وہ غلطی کر لیتا ہے۔ اس سے کوئی گناہِ کبیرہ بھی سرزد ہو جاتا ہے کوئی بڑا گناہ کر بیٹھتا ہے۔ تو اس کے لیے فرمایا: وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ... ہر گناہ، اپنے آپ پر ظلم ہے۔ ہر گناہ جو دوسرے کو نقصان پہنچاتا ہے وہ تو پہنچاتا ہی ہے۔ کسی کا مال چھینا گیا، کسی کی آبرو چھینی گئی، کسی کی جان چھین لی، اس پر تو ظلم ہوا اسے تو دکھ ہوتا ہی ہے، اپنے آپ پر اس سے زیادہ ظلم ہے کہ جواب دہی تو خود کو کرنی پڑے گی، سزا تو خود کو بھگتنا پڑے گی۔ فرمایا: وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ... اور اگر یہ لوگ اس سب کے باوجود بھی اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں، زیادتی کر بیٹھیں، نافرمانی کر بیٹھیں اللہ کی، نافرمانی کر بیٹھیں بارگاہِ رسالت کی، اتباعِ شریعت کی تو کیا کریں، کہاں جائیں؟ یہ تو درست ہے کہ اسلام دینِ فطرت ہے فطری طور پہ انسان نے جو کچھ کرنا ہے اسی کو شریعت کے مطابق کرے تو وہ عبادت ہے اور وہی ترقی درجات کا سبب بن گیا۔ یہ تو بڑے مزے کی بات ہے لیکن پھر بھی غلطی کی، خطا کی، گناہ کی گنجائش موجود ہے۔ جب تک آدمی عالمِ آب و گل میں ہے اس کا نفس بھی ہے، شیطان بھی کوشش کر رہا ہے تو اگر کسی سے خطا ہو جائے بہت بڑا گناہ کر بیٹھے تو وہ کیا کرے؟ فرمایا، اگر ایسا کر بیٹھیں جَآءُوۡكَ ... آپ ﷺ کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوں۔

قرآن کریم اپنے نزول سے لے کر قیامِ قیامت تک کتاب ہدایت ہے تمام روئے زمین کے انسانوں کے لیے کوئی نیا نبی نہیں آئے گا، کوئی نئی کتاب نہیں آئے گی۔ عہدِ رسالت پناہی میں تو سمجھ میں آتا ہے کہ جَآءُوۡكَ ... سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی خدمتِ عالی میں حاضر ہوں لیکن وہ بھی اہلِ عرب کے لیے، اہلِ شہر کے لیے یا گرد و نواح کے لیے یا زیادہ سے زیادہ کر لیں تو اہلِ عرب کے لیے کہ اس زمانے میں بھی دنیا سے سفر کر کے مدینہ منورہ پہنچنا آسان نہیں تھا۔ پھر یہ ارشاد تو سب کے لیے ہے اور پھر جب آپ ﷺ دُنیا سے پردہ فرما گئے تو بات ہی ختم ہو گئی اب آپ ﷺ کی بارگاہ میں کوئی کیسے حاضر ہو؟ آپ ﷺ تو برزخ میں جلوہ افروز ہیں، آدمی اس عالمِ آب و گل میں ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ بدن کو لے کر مدینہ منورہ پہنچیں۔ جَآءُوۡكَ ... آپ ﷺ کی خدمتِ عالی میں حاضری سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا بتایا ہوا عقیدہ بھی قبول کرے اور آپ ﷺ کا بتایا ہوا طرزِ عمل بھی قبول کر لے تو آپ ﷺ کی خدمتِ عالی میں پہنچ گیا۔ جَآءُوۡكَ ... سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا ہو جائے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے، بڑی دعاؤں، بڑی عبادتوں، بڑی محنتوں کے بعد یہ نصیب ہوتا ہے کہ کوئی حضور ﷺ کا ہو جائے، یہ بلند مقام ہے کہ کوئی قلبی طور پر، ذہنی طور پر، فکری طور پر، عملی طور پر، آپ ﷺ کا غلام ہو جائے یہ کوئی معمولی بات تو نہیں لیکن اس کریم رب نے فرمایا کہ گنہگار گناہ کر بیٹھے، گناہ کے بعد سچے دل سے توبہ کر لے، آپ ﷺ کا بتایا ہوا عقیدہ اختیار کرے، اور طے کر لے کہ میں نے آپ ﷺ کا اتباع کرنا ہے آپ کی غلامی کرنی ہے تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اسے یہ مقام اور یہ منصب مل گیا۔ اتنا کریم ہے ہمارا پروردگار کہ خطاؤں پر مرتبے بخش رہا ہے! ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ ... فرمایا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھیں، کوئی گناہِ کبیرہ کر بیٹھیں، ظلم توڑ بیٹھے اپنی جان پر، قہر برسا بیٹھے اپنے آپ پر تو اس نے دروازے بند نہیں کیے جَآءُوۡكَ ... آپ ﷺ کی خدمت میں آ جائے۔

دن اسی کے گرد گھوم رہے ہوتے ہیں۔ اسی کے گرد گھوم گھوم کر شام ہو جاتی ہے۔تھک ہار کر گھر آ جاتے ہیں۔اس سارے منظر میں کبھی ہم نے سوچا بھی ہے کہ یہ زندگی چندروزہ ہے آگے دائمی زندگی آئے گی اس کا کیا ہوگا؟ صبح اُٹھ کر فکر کریں کہ ابدی، دائمی ہمیشہ کی زندگی کیا ہوگی؟ تو پہلے ہم نماز ادا کریں، اللہ کو سجدہ کریں، حاضری لگوائیں پھر دیکھیں کہ دُنیا کا جو کام میں کرنے جا رہا ہوں کہیں میری آخرت کو خراب تو نہیں کر رہا؟ چونکہ آخرت نے ہمیشہ رہنا ہے اور یہ زندگی چندروزہ ہے۔ یہاں کی عارضی لذت وہاں کی دائمی لذتوں کو تباہ نہ کر دے پھر اس پہ سوچیں اور اس انداز سے وہ کام کریں جو شرعاً جائز ہو اور اس کا طریقہ بھی حلال ہو۔ کھانے پینے کا وقت آئے تو ہم یہ سوچیں کہ یہ لقمہ جو میں کھا رہا ہوں یہ مجھے جنت کی نعمتوں سے محروم تو نہیں کر دے گا کہیں یہ حرام تو نہیں ہے، ناجائز تو نہیں ہے، رشوت کا، چوری کا، دھوکہ کا، ڈاکے کا تو نہیں ہے؟ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ کَاَنَّکَ عَابِرُ السَّبِیْلِ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَھلِ الْقُبُوْرِ (ابن ماجہ) آپ ﷺ نے فرمایا کہ دُنیا میں ایک پردیسی، ایک غریب الوطن کی طرح رہو۔ یہ دُنیا تو تمہارا گھر نہیں ہے تم نے خوامخواہ دل لگا لیا ہے تمہارا گھر بہت آگے ہے تم نے جنت کو جانا ہے اللہ نے ایمان والوں کے لیے جنت بنائی ہے، یہ ان کی وراثت ہے۔ جیسے وراثت کا ملنا یقینی ہوتا ہے ناں اسی طرح جنت مومن کی وراثت ہے۔ دُنیا میں تو تم چندروز کے مسافر ہو یہاں مسافر ہی رہو یہ ذہن میں رکھو کہ تم نے چندے یہاں ستانا ہے۔

خواجہ عبیداللہ احرارؒ ہمارے مشائخ سلسلہ میں سے ہیں۔ بہت امیر آدمی تھے اور بہت خوش لباس تھے۔ بہت بڑی جاگیر تھی آپ کی، بہت بڑی زراعت تھی۔نوکر، چاکر، ملازم۔سو تو ہل پھرتا تھا آپ کی زمین میں تو سو خاندان توہاریوں کے ہو گئے۔مال مویشی اور ان کے چرواہے ایک جہان پلتا تھا ان کے ساتھ اور ان کی طرزِ بود و باش بھی شاہانہ تھی

چوں فقر در قبائے شاہی آمد
ز تدبیر عبیداللّٰہی آمد

کہ فقر کو جب شاہی لباس نصیب ہوا تو یہ حضرت عبیداللہ احرارؒ نے شروع کیا۔ تو یہ سب کیفیات دل کی ہیں، لباس کی نہیں۔ پھٹے پرانے کپڑے، لمبے چوغے یا ہرے پیلے کپڑے پہننے سے تصوف کا کوئی تعلق نہیں، یہ دل کی کیفیت ہے۔ ظاہر کو اس طرح رکھو جس طرح دُنیا میں اللہ نے آپ کو مقام دیا ہے۔

اس وقت یہ ہوتا تھا کہ سواری تو گھوڑا یا اونٹ ہی ہوتے تھے لوگ حج کو جاتے تھے تو برسوں لگ جاتے تھے آنے جانے میں کم از کم سال تو لگ ہی جاتا تھا تو کوئی مولانا جو آپ کے ساتھ مسجد میں نمازی تھے ان کو خیال گزرا کہ حضرت تو بہت مصروف ہیں، لوگ حج پر جانے کی تیاری کر رہے تھے تو عرض کی، حضرت! اس مرتبہ حج کو نہیں چلنا چاہیے؟ فرمایا، بسم اللہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے تو ایسا کرو مولانا! صبح نکلتے ہیں ان شاء اللہ۔ وہ شخص پریشان ہو گیا، اس نے تو سوچ رکھا تھا کہ یہ تو بڑے مصروف ہیں یہ دھندوں سے کس طرح جان چھڑائیں گے۔ حضرت نے فرمایا، تیاری کرو، صبح چلتے ہیں تو اس کے دل کی بات زبان پر آ گئی کہ حضرت! آپ کی تو اتنی مصروفیات، اتنے نوکر چاکر، جاگیر، زمین جائیداد مال مویشی ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ارے بے وقوف! یہ اللہ کی امانت ہے میرے پاس۔ میرا کچھ بھی نہیں، میرا صرف اللہ ہے، یہ سب اس کا مال ہے، اس کی میرے پاس امانت ہے، جب میں نہیں ہوں گا تو اس کی بڑی مخلوق ہے، کوئی اور سنبھال لے گا۔ میرے دم سے دُنیا قائم نہیں ہے۔ میں نے تو ایک دن یہاں سے جانا ہے پھر کون کرے گا؟ تو جب تک میں ہوں میری ذمہ داری ہے جب میں چلا جاؤں گا جس کی ذمہ داری ہے وہ کرتا رہے گا۔ اس کی فکر کیوں کرتا ہے؟ تو فرمایا کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ دُنیا میں اس طرح رہو جیسے مسافر رہتے ہیں، غریب الوطن رہتے ہیں۔ تم پردیسی ہو، تمہیں یہاں ہمیشہ نہیں رہنا، تم نے واپس گھر جانا ہے۔ اَوْ کَاَنَّکَ عَابِرُ السَّبِیْلِ یا

آپ ﷺ کی خدمت کی حاضری تو زندگی کا مقصد ہے لوگ اذکار کرتے ہیں، مراقبات کرتے ہیں، مجاہدے کرتے ہیں، شیخ تلاش کرتے ہیں تو جہ لیتے ہیں تب جا کر کہیں جَآءُوْكَ ... کا منظر بنتا ہے۔فرمایا بندۂ مومن ظلم بھی اپنے آپ پر کر بیٹھے، کوئی بڑا گناہ بھی کر بیٹھے میں تو کریم ربّ دروازہ بند نہیں کرتا، کہتا ہے آپ ﷺ کی خدمتِ عالی میں آ جاؤ اور حضور ﷺ کا دنیا میں قیام چند سالوں کا نہیں قیامت تک کے لیے ہے۔ بندہ جہاں کہیں ہے، وہیں آپ ﷺ کا بتایا ہوا عقیدہ اپنا لے اور عہد کر لے کہ میں آپ ﷺ کا اتباع کروں گا تو گویا وہ آپ ﷺ کی خدمتِ عالی میں پہنچ گیا۔ بارگاہِ عالی میں پہنچ کر کیا کرے؟ فرمایا: فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ ... اللہ سے بخشش چاہے کہ یا اللہ دُنیا میں جو تو نے عاصیوں کی پناہ گاہ بنائی تھی میں وہاں پہنچ گیا۔ دُنیا میں جو تو نے بہت بڑا شفا خانہ بنایا تھا جس میں ہر مرض کا علاج ہے میں اس بارگاہ میں پہنچ گیا۔ دُنیا میں جو تیرا مہبط وحی تھا اس بارگاہ میں پہنچ گیا۔ اب مجھ پر مہربانی فرما اور تو مجھے بخش دے۔ فرمایا، حاضری کی ایک شرط اور بھی ہے، ایکٹنگ نہ کر۔ تیری حاضری واقعی ہونی چاہیے، اداکاری نہیں ہونی چاہیے، اللہ کریم کی بارگاہ میں اداکاری نہیں چلتی، تیری حاضری ایسی یقینی ہونی چاہیے کہ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ... کہ میرا رسول ﷺ بھی تیری سفارش کرے یعنی اس خلوص سے توبہ کر اور اس خلوص سے عہد کر اتباعِ رسالت کا کہ میرا حبیب ﷺ بھی تیرا سفارشی ہو جائے کہ یا اللہ! اس نے مجھے اپنا لیا ہے اس نے میرا دامن تھام لیا ہے۔ میرا رسول ﷺ بھی قبول کر لے کہ تو صرف ایکٹنگ نہیں کر رہا، واقعی اس کی بارگاہ میں پہنچ چکا ہے۔ فرمایا: لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا [النساء: 64]... فرمایا پھر رحمتِ الٰہی کے تماشے دیکھ۔ تو اسے ایسا پائے گا کہ توبہ بھی اس نے قبول فرمالی اور اس پر مزید رحمتوں کی بارش برسادی۔ صرف وہ گناہ نہیں بخشا، تیری توبہ بھی قبول کر لی، جس گناہ کو بخشوانے تو گیا تھا اس کی بخشش بھی ہوگئی لیکن تیرے اندازے سے زیادہ اپنی رحمتیں تجھ پر برسادیں۔

قرآن کریم قیامت تک کی انسانیت کے لیے ہے، یہ آیاتِ مبارکہ بھی ہمیشہ کے لیے ہیں، یہ کیفیات بھی دائمی ہیں اور قرآن کی طرف سے ہر فرد کو دعوت ہے کہ جتنے ظلم بھی کر بیٹھے، جتنے گناہ بھی کر بیٹھے جو بھی ہو چکا ہے اب چھوڑ دو اور میرے محبوب ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ۔ عقیدہ بھی وہ اپنا لو جو حضور ﷺ نے فرمایا، اطاعتِ پیغمبر کا بھی پکا وعدہ کر لو تو گویا تم فنافی الرسول ہو گئے۔ فنافی الرسول سے مراد کیا ہے؟ اپنی رائے نہ رہے ارشاداتِ رسالت پناہی رہ جائیں۔ جو کرنا ہے وہ آپ ﷺ کے حکم کے مطابق کرنا ہے، اپنی کوئی رائے نہیں۔ ہم کام کرتے وقت والدین سے مشورہ کرتے ہیں، بہن بھائیوں سے، عزیز و اقارب سے، دوستوں سے، اس شعبے اور اس فن کے لوگوں سے مشورہ کرتے ہیں۔ کوئی چھوٹا سا بھی یا بڑا بھی دنیوی کام ہو، تجارت کا ہو، ملازمت کا ہو، آپس میں رشتے ناطے ہوں تو ہم مشورے کرتے پھرتے ہیں۔ جائز و حلال کام ہو، مشورے کرنا سنت ہے، اچھی بات ہے لیکن کیا اپنے اُمور کا مشورہ بارگاہِ رسالت سے نہ مانگا جائے ہمارا طریقِ حیات یہ ہے کہ ہم صبح بیدار ہوتے ہیں تو ہم فکر لے کر بیدار ہوتے ہیں کہ آج کام کیا کیا کرنے ہیں؟ سودا کہاں بیچنا ہے، خریدنا کہاں سے ہے، ملازم ہے تو سوچتا ہے کہ میرے دفتر کے اوقات کیا ہیں اور آج کی کون کون سی فائلیں مکمل کرنی ہیں اور کون کون سی Put up کرنی ہیں، آج دن بھر کا کام کیا ہوگا؟ لباس کون سا پہنیں گے، کپڑے کون سے ہوں، جوتا کیسا ہونا چاہیے، حلیہ کیا ہونا چاہیے، مجھے کیسا نظر آنا چاہیے؟ پھر ہم میں سے اپنی پسند سے کوئی کلین شیو بن جاتا ہے کوئی اللہ کی مہربانی سے داڑھی رکھ لیتا ہے۔ ہم بہت کم مسلمانوں والا لباس منتخب کرتے ہیں اور نصاریٰ اور یہود والا زیادہ منتخب کرتے ہیں۔ اسے ہم معزز سمجھتے ہیں، ہماری Priorities میں ہے پھر ہم منہ بگاڑ بگاڑ کر مختلف زبانیں بولنا اپنی شان سمجھتے ہیں پھر اپنے کام پہ لگ جاتے ہیں۔ ہم کولہو کے بیل کی طرح کام میں جتے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہی گھر، وہی مکان، وہی کمرہ اور وہی لکڑی کھینچ رہے ہوتے ہیں۔ سارا

ایسے رہو جس طرح مسافر ستانے کے لیے کہیں رُک جاتا ہے، کسی سرائے میں رُک جاتا ہے، کسی درخت کے سائے میں رُک جاتا ہے، کہیں پانی کے چشمے پہ رُک جاتا ہے۔ نیا پانی پیتا ہے، وضو کرتا ہے، نماز ادا کرتا ہے لیکن وہ چشمہ وہ نخلستان وہ پودے اس کا دل نہیں موہ لیتے کہ وہ وہیں کا ہو رہے۔ اسے پتا ہے میں نے سفر کرنا ہے، آدھا گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ آرام کر کے مجھے آگے چلنا ہے یعنی دُنیا میں رہنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ یاد رکھو کہ تم یہاں مسافر ہو، غریب الوطن ہو، تمہارا وطن کہیں اور ہے، یہاں سے کمائی کر کے پیسہ لے کر دولت لے کے اپنے اخراجات لے کر واپس گھر جانا ہے۔ یہاں کمانے آئے تھے یا پھر اس طرح رہو جس طرح مسافر۔ سایہ دار درخت مل جائے تو ستا لیتا ہے، چشمہ مل جائے پانی پیتا ہے، وضو کرتا ہے، پھول پھل دیکھتا ہے، خوش ہوتا ہے لیکن وہاں زیادہ دیر رُکنے کا ارادہ نہیں کرتا، سفر نہیں چھوڑتا، ستا کر چل پڑتا ہے وَعُدَّ نَفْسِكَ مِنْ اَهْلِ الْقُبُوْرِ اپنے آپ کو زندگی میں قبر والوں میں شمار کرو۔ یہ یاد رکھو کہ تمہیں قبر میں اُترنا ہے یہ سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ دوسروں کا حق چھینو گے تو وہاں جمع کرو گے، ظلم سے دولت جمع کرو گے، ناانصافی سے مکان بناؤ گے تو یہ مصیبت پچھلوں کے سر بھی بوجھ لاد کے چلے جاؤ گے اور اپنی قبر میں بھی بوجھ لے کر چلے جاؤ گے۔ یاد رکھو اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔ زندگی گزارنے کا طریقہ یہ ہے۔ مومن جیتا دنیا میں ہے بستا آخرت میں ہے، کھاتا پیتا دنیا میں ہے لیکن اس کی نظر آخرت میں اس کے نتائج پر ہوتی ہے۔ صبح اُٹھ کر دنیا کی فکر میں تو ہر بندہ لگ جاتا ہے۔ اللہ ہمیں فکرِ آخرت بھی نصیب کرے اور اللہ نے یہ آسانی دی ہے کہ اسے دنیوی اُمور سے جوڑ دیا ہے کوئی الگ مشقت نہیں ڈالی۔ یہی کھانا پینا، سونا جاگنا، رشتے ناطے، بچے پالنا، تعلقات، مزدوری کرنا اسی کو عبادت، اسی کو اجر کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ یہ کتنا احسان ہے اس کا اور اس کے کرم کی کوئی حد نہیں ہے، کوئی گن نہیں سکتا۔ بارگاہِ رسالت کی حاضری کے لیے صوفیاء عمریں کھپا دیتے ہیں۔ ایسے لوگ نہیں ملتے جن سے توجہ لی جائے، تلاش کرنا ایک مرحلہ ہے اور بڑے بڑے لوگوں کی عمریں سفر کرتے بیت گئیں، تلاش کرتے بیت گئیں پھر اگر تمہیں ایسے لوگ مل جائیں تو اتباع کرنا، مجاہدہ کرنا! فرمایا اگر تم ظلم بھی کر رہے ہو، گناہ بھی کر بیٹھو تو واپس آجاؤ۔ عہد کر لو کہ میں عقیدہ وہ رکھوں گا جو حضور ﷺ نے فرمایا اور عمل وہی کروں گا جو حضور ﷺ نے فرمایا تو گویا تم بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے لیکن شرط یہ ہے، توبہ کی شرط یہ ہے کہ پھر میرا حبیب ﷺ بھی تمہاری سفارش کرے یعنی ایسی کھری اور خلوص سے توبہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ بھی تمہارے سفارشی بن جائیں کہیں یا اللہ! اس بندے کو معاف فرمائیں پھر موجیں ہی موجیں! لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا (النساء: 64) تم تو صرف ثواب تلاش کرتے پھرتے ہو کہ کہیں میری توبہ قبول ہو جائے، اسے تم توبہ قبول کرنے والا اور رحمت کی بارشیں برسانے والا، مزید انعامات دینے والا پاؤ گے وہاں تمہیں کیا کیا نہیں ملے گا تو جس بارگاہ کی روحانی حاضری، اطاعت اور اتباع سے گناہ کر کے بندہ توبہ کے لیے حاضر ہوا تنے انعام پاتا ہے تو اگر اتباع کرتا ہو، نیکی کرتا ہو فنافی الرسول حاصل کر لے تو اس پر کیا کیا بارشیں ہوتی ہوں گی! زندگی کی سانسیں گنی ہوئی ہیں، شمار ہیں۔ کسی نے اپنے وقت سے پہلے نہیں جانا کوئی اپنے وقت کو چند لمحے مؤخر نہیں کر سکتا، کسی کے پاس کوئی سند نہیں ہے کہ اسے کب تک رہنا ہے، ہر لمحہ موت کا لمحہ ہو سکتا ہے، ہر سانس آخری سانس ہو سکتی ہے تو

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
اور ملتِ احمدِ مرسلؐ کو مقامی کر لو

ایک لمحہ ضائع نہ ہونے دو، پہلے لمحے میں خلوص سے توبہ کرو۔ ہم جو اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں ہماری نیکیاں بھی اس بارگاہ میں گناہ لگتی ہیں۔ وہ بارگاہ اتنی عالی ہے کہ جن اعمال کو ہم نیکی سمجھتے ہیں ان میں اتنی خامیاں ہیں کہ وہاں وہ بھی گستاخی لگتی ہیں۔ ہم سب کو توبہ کرنی ہے ہر لمحے کرنی ہے، اسی لیے حضور ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ استغفار کثرت سے کیا کرو اور بزرگ فرماتے ہیں کہ دن میں کم از کم بندہ

ہر نماز کے ساتھ بیس بار استغفار کر لے تو دن رات میں سو بار تو ہو جائے۔ اس بارگاہ کی عظمت دیکھیں اور اپنا کردار دیکھیں تو جنہیں ہم نیکیاں سمجھے بیٹھے ہیں یہ بھی گستاخی لگتی ہیں۔ کسی سلطان یا بادشاہ کی بارگاہ میں جلی ہوئی روٹیاں اور بے مزہ سالن لے جائے تو وہ تحفہ بنے گا؟ ہماری نیکیاں، ہماری نمازیں، ہمارے روزے جنہیں ہم نیکیاں سمجھتے ہیں یہ بھی جلی ہوئی روٹیاں ہیں۔ وہ خلوص جو اس بارگاہ کو چاہیے وہ ہمیں نصیب ہی نہیں ہے۔ ہمارا یہ عہد عمومی گمراہی کا ہے، یہ عہد اعتماد کا نہیں یہ عہد شکوک کا ہے۔ ہر بات پہ لوگوں کو شک ہے، اب تو بندوں کے نسب پہ بھی لوگ شک کرنے لگ گئے ہیں۔ یہ، یہ کہلاتا ہے اس کی قوم یہ ہے بھی کہ نہیں ہے؟ بڑی عجیب بات ہے۔ یہاں روز ٹی وی پر اخباروں میں یہ جھگڑا دیکھتے ہیں، فلاں خود کو یہ لکھتا ہے لیکن وہ ایسا ہے نہیں۔ کمال ہے! یعنی لوگوں کے نسب پہ بھی شک ہونے لگا۔ یہ ایسا شکوک سے بھرا ہوا دور آیا ہے کہ دین پہ شک ہے، عظمتِ الٰہی پہ شک ہے، آخرت پہ شک ہے، عبادات پہ شک ہے؟ بچا کیا ہے؟ فرمایا اس پُرفتن دور میں ہر وقت توبہ کرو اور ایسی پرخلوص توبہ کرو کہ گویا تمہیں ہر وقت فنافی الرسول نصیب ہو تم بارگاہِ عالی میں حاضر رہو اور اس خلوص سے حاضر رہو کہ میرا حبیب ﷺ تمہاری سفارش کر دے، بس پھر کیا، پھر موجیں ہی موجیں اللہ کریم توفیق نصیب فرمائے اور یہ احساس دے کہ ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا کرنا چاہیے۔ اس احساس پہ زندہ رکھے، اسی شعور پہ موت نصیب فرمائے اور آخرت میں اسی بارگاہِ عالی کی غلامی میں کھڑا کرے اور یہ حاضری کی کیفیت میدانِ حشر میں بھی نصیب فرمائے جنت میں بھی نصیب فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

بقیہ: مسائی جمیلہ: صفحہ نمبر 49

اظہار تشکر کے طور پر محترم اختر حسین صاحب کے تعاون کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے۔ انہوں نے لبرٹی مارکیٹ میں اپنے شاپنگ مال کی مسجد کو "الاخوات" کے پروگراموں کے لیے مختص کر دیا ہے۔ مہمان نوازی کا خرچ بھی وہ خوش دلی سے اٹھاتے ہیں۔ اللہ کریم ان کی پرخلوص کوششوں کو قبول فرمائیں اور مزید توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین

طب

شہد (Honey)

حکیم ملک عبدالماجد اعوان

(بقیہ: نومبر کے شمارے سے)

شہد کے بارے میں ایک عام تاثر۔

ہمارے دیہی علاقے اور عام سادہ فرد کے ذہن میں شہد کا استعمال صرف اس صورت میں کیا جاتا ہے۔ جب سردی کا موسم ہو اور بندہ شدید سردی میں مبتلا ہو تب اسے استعمال کروایا جائے۔ جب کہ یہ تاثر بالکل غلط ہے۔ شہد کا استعمال ہر موسم اور ہر عمر کے فرد کے لیے یکساں مفید ہے۔ سردیوں میں اس کا استعمال صبح نہار منہ ایک چمچ یا رات سوتے وقت نیم گرم دودھ میں حل کر کے استعمال کیا جائے جب کہ موسم گرما میں شہد ایک چمچ کو ایک گلاس پانی میں حل کر کے صبح نہار منہ یا کسی بھی وقت استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چھوٹے بچوں میں اس کی مقدار عمر کے لحاظ سے کم کی جا سکتی ہے۔

شہد کی افادیت آپ ﷺ کے اس ارشاد سے اور بڑھ جاتی ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے مہینہ میں تین دفعہ صبح نہار منہ شہد استعمال کیا۔ اس کو اس مہینہ میں کوئی موذی مرض نہیں ہوگا۔

اطلاع برائے ممبران

اطلاع دی جاتی ہے کہ اس ماہ سے (Bulk) کثیر خریداری پر رعایت ختم کر دی گئی ہے اور آئندہ اُن کے لیے بھی وہی نرخ (بدل اشتراک) لاگو ہوں گے۔ جو انفرادی خریداری کے لیے ہیں یعنی -/450 روپے سالانہ

ضرورت رشتہ

لڑکی: عمر 27/26 سال، قد: 5 فٹ 4 انچ تعلیم: بی اے، بی ایڈ ذات ملک (تیلی)، رہائش گوجرانوالہ، کے لیے مناسب رشتہ درکار ہے۔ سلسلہ عالیہ سے منسلک افراد کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ نمبر: 0333-8260225

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک پر

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرام اعوان مدظلہ العالی کا بیان

سورۃ کہف

حجاب اصل عذاب ہے

قولہ تعالیٰ: لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ الکھف :2

ترجمہ: تاکہ وہ ایک سخت عذاب سے جو کہ من جانب اللہ ہوگا ڈرائے۔

''یہ بَأْس' حجاب ہے جواشد عذاب ہے۔''

لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ تاکہ اللہ انہیں ڈرائے بَأْسًا معنی عذاب شدید سخت سے سخت ترین عذاب سے مِّن لَّدُنْهُ جواللہ کی طرف سے وارد ہوگا۔لوگوں کو زندگی میں خبردار کرے کہ اس عذاب سے بچنے کی کوشش کرو، عقائد درست کرو اعمال درست کرو۔تو یہاں حضرت فرماتے ہیں کہ یہ'باس' حجاب ہے،سب سے بڑا عذاب، سب سے شدید عذاب۔قرآن کریم میں جہنم کے عذابوں کا تذکرہ مختلف جگہ ملتا ہے کہ بعض کو پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جو چہرے کے قریب جائے گا تو چہرے کا سارا گوشت اس میں گل کر گر جائے گا اور وہ پینا پڑے گا پئیں گے تو انتڑیوں میں گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا پھر سلامت ہو جائے گا فَشَارِبُونَ شُرْبَ الْهِيمِ (سورۃ الواقعہ: 55) حال یہ ہوگا لیکن پی اس طرح رہے ہوں گے جس طرح پیاسا اونٹ پیتا ہے۔اسی طرح زنجیروں میں جکڑے جائیں گے، طواق پہنائیں گے، آگ میں پھینک دیے جائیں گے، پیپ پلائی جائے گی، یہ ہوگا وہ ہوگا۔بڑے بڑے سخت عذابوں کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے۔حدیث شریف میں بہت وضاحت ملتی ہے۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے مطابق سب سے بڑا عذاب حجاب ہوگا بَأْسًا شَدِيدًا اسب سے بڑا عذاب یہ ہوگا کہ بندے اور ذات باری کے درمیان حجاب آ جائے گا چونکہ باقی سارے عذاب پھر اس پر مرتب ہوتے ہیں۔باقی جتنے عذاب ہیں وہ پھر اس پر مرتب ہوتے ہیں۔اور جس سے حجاب ہٹ جائے اور جسے آخرت میں کلام باری نصیب ہو اس پر عذاب نہیں ہوتا۔تو فرمایا نبیؐ کا منصب جلیلہ یہ ہے کہ لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا سخت ترین عذاب سے لوگوں کو بروقت مطلع فرمائے۔

انذار کا ترجمہ جو ڈر کر دیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے، مجبوری ہے کہ اور کوئی لفظ ہی نہیں ملتا۔انذار کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اگر نادانی سے زہر کھانے لگے تو کوئی علم رکھنے والا اسے متنبہ کر دے اسے یہ بتائے کہ یہ کھاؤ گے تو مر جاؤ گے۔اسی طرح جب لوگ اللہ کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں تو یہ زہر کھانے کے مترادف ہے۔اللہ کا نبیؐ جانتا ہے کہ اس کام کا نتیجہ اس کے حق میں تباہی ہوگا تو وہ اسے اس انجام سے ڈراتا ہے کہ تم یہ کام نہ کرو ورنہ تم پر یہ عذاب آئے گا۔تو انجام سے بروقت مطلع فرمانے کا نام انذار ہے لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا سخت ترین عذاب سے ڈرائے۔ یہاں تک آخرت کی بات ہوئی۔

دنیا میں حجاب کیا ہے؟ اسے اس انداز سے دیکھیں کہ دنیا میں ہم جتنی خطائیں کرتے ہیں جتنے گناہ کرتے ہیں کسی کو قتل کر دیتے ہیں، چوری کر لیتے ہیں، رشوت لے لیتے ہیں، بدکاری کرتے ہیں ،جواء کھیلتے ہیں، شراب پیتے ہیں۔ذرا غور کر کے بتائیے کہ گناہ کرتے وقت بندے کے سامنے اس وقت اللہ کی یاد یا اللہ کا نام یا

آخرت ہوتی ہے؟ نہیں ہوتی۔ بندہ بھول جاتا ہے۔ اللہ کا تصور ہی نہیں ہوتا اللہ کی یاد ہی نہ ہوتی اس کی عظمت کا گماں بھی نہیں ہوتا اسی کو حجاب کہتے ہیں۔ حجاب کا معنی پردہ ہے سو جب ہم عملی دنیا میں عمل کرتے ہوئے آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں، جب ہمارے سامنے عظمت الٰہی نہیں ہوتی تب ہم گناہ کرتے ہیں اور جس کے سامنے حضور حق ہوتا ہے اور جسے یہ احساس ہوتا ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے، وہ گناہ سے رک جاتا ہے، وہ گناہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس سے خطا ہو جائے تو فوراً سجدے میں گر جاتا ہے روتا ہے توبہ کرتا ہے یا اللہ مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی میں نے تیرے روبرو تیری نافرمانی کر دی۔ اول تو کرتا نہیں، ہو جائے تو فوراً تائب ہوتا ہے۔ تو اگر یہ کیفیت نہ ہو اور بندہ گناہ کرے جیسے آج پورے معاشرے میں ہو رہا ہے کہ بندہ گناہ بڑی دلیری سے کر رہا ہے اور پھر گناہ کر کے شرمندہ تو کیا ہونا اس پر فخر کرتا ہے کہ میں نے اتنے بندوں کو لوٹ لیا، میں نے اتنے بندے قتل کر دیئے، میں نے اتنی بسیں لوٹ لیں، میں نے اتنے گھر جلا دیئے تو یہ جو گناہ پر فخر ہے آپ خود سوچیں میری رائے پر نہ جائیں یہ کرتے وقت بندے اور اللہ کے درمیان حجاب نہیں ہوتا۔ اسے اللہ کی یاد، اللہ کی عظمت، اللہ کی بارگاہ میں حاضری، کچھ یاد نہیں رہتا۔ یہی حجاب جو ہے یہ آخرت میں دیوار بن جائے گا بندے اور رحمت الٰہی کے درمیان۔ یہ ایسا نہیں کہ وہاں حجاب بنا دیا جائے گا ہم خود یہاں سے خرید کر لے جا رہے ہیں۔ تو اگر آخرت کے سب سے بڑے حجاب سے بچنا ہے تو اس دنیا میں زندگی کو حضور حق میں بسر کریں۔ زندگی میں کام کرتے وقت منہ کھولتے وقت، بات کرتے وقت، لین دین کرتے وقت یہ یاد رکھیں وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ (الحدید: 4) تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا پروردگار تمہارے ساتھ پالن ہار ہے، تمہارا پالنہار تمہارے ساتھ ہے، تمہارا اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ تو جب یہاں حجاب نہیں ہوگا تو کام میں برکت بھی ہو گی تائید باری بھی نصیب ہو گی، ثواب بھی نصیب ہوگا، قرب الٰہی بھی نصیب ہوگا اور زندگی پرسکون بھی ہو گی۔ یہاں بھی جب حجاب آ جاتا ہے تو ہم نے زندگی میں بڑے بڑے خان اور بڑے بڑے ملک اور چوہدری کہلوانے والوں کی آخری عمر بھی دیکھی ہے۔ جب ان کی اولاد ان سے بدسلوکی کرتی ہے اور ان کی بیویاں گھر سے نکال دیتی ہیں اور ان کا سارا کرّ وفر چلا جاتا ہے میں نے بڑے بڑے نامور ڈاکوؤں کو مانگ کر کھاتے دیکھا ہے۔ ہمارے ہاں ایسے ڈاکو بھی گزرے ہیں بلکہ متحدہ ہندوستان میں پورا ہندوستان کلکتہ، بنگال اور بمبئی تک ان کی یلغار ہوتی تھی اور بڑے نامور تھے پھر میں نے ان کو زکوٰۃ اور خیرات مانگتے بھی دیکھا ہے تو جب یہ حجاب آ جاتا ہے تو دنیا میں بھی زندگی میں ذلالت آ جاتی ہے۔ تکلیف آ جاتی ہے، پریشانی آ جاتی ہے، دل کا سکون غارت ہو جاتا ہے اور جو لوگ دنیا میں یہ حجاب اوڑھ کر جیتے ہیں انہیں آخرت میں وہ حجاب پیش آئے گا۔ کافر تو ہے ہی پس پردہ، کافر سے تو حجاب اٹھا ہی نہیں وہ تو ہے ہی بدنصیب لیکن میں سمجھتا ہوں وہ بندہ بھی بڑا بدنصیب ہے جسے کلمہ بھی نصیب ہو گیا اور پھر اس نے اپنے اور ذات باری کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر لی اور اللہ کی نافرمانی پر دلیر ہو گیا یہ ایک بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ تو حضرت فرماتے ہیں کہ نبی کا کام اور منصب جلیلہ یہ ہے کہ لِّيُنذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ اللہ کی طرف سے جو سخت عذاب آئے گا اس سے بندے کو بروقت خبردار کر دے تو فرماتے ہیں وہ سخت ترین عذاب جو ہے وہ حجاب ہوگا۔ نہ اس کی فریاد سنی جائے گی نہ اس سے اللہ کریم کلام فرمائیں گے نہ اس کا کوئی پرسان حال ہوگا باقی سارے عذاب اسی حجاب کے بعد مرتب ہوں گے۔

اخلاص کی فضیلت

قولہ تعالیٰ: وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ (الکہف: 2)

ترجمہ: اور ان اہل ایمان کو جو نیک کام کرتے ہیں۔

''اور یہ وہ اعمال ہیں جن سے خاص حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہو اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بیزاری ہے اپنی ہستی سے بوجہ ہستی حق کے۔''

فرمایا نیک کام سے مراد وہ عمل ہے جو محض رضائے حق کی خاطر کیا جائے جس کام میں کوئی چیز اور مقصود ہو جائے وہ عمل صالح نہیں ہے۔ بندہ سارا دن عبادت کرے اور مقصد یہ ہو کہ لوگ سمجھیں یہ بڑا نیک ہے یا کوئی اور مقصد ہو، سارا دن تلاوت کرے مقصد یہ ہو کہ شام کو پیسے ملیں گے، سارا دن تلاوت کرے اور مقصد یہ ہو کہ شام کو اچھا کھانا ملے گا، مختلف چیزیں ہوتی ہیں، میں نے ایک دو بیان کر دیں۔ عمل صالح وہ ہوتا ہے جو محض اللہ کی رضا کے لیے ہو۔ اور فرماتے ہیں کہ بعض نے کہا یہ بیزاری ہے اپنی ہستی سے بوجہ ہستی حق کے۔ بعض نے کہا ہے کہ نیکی تو یہ ہے کہ جب اللہ کی معرفت حاصل ہو جائے اس کی عظمت کو اپنی حیثیت کے مطابق سمجھ لے۔ ہر ایک کی پہچان اس کی اپنی استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ تو اللہ کے مقابلے میں اپنے آپ کو بھول جائے اپنی ذمہ داری صرف یہ سمجھے کہ مجھے صرف اطاعت کرنا ہے اور میرا کوئی کام نہیں۔ تو وہ عمل صالح ہوتا ہے اور جسے عمل صالح نصیب ہو اس کے لیے اللہ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ میری طرف سے ان کو خوشخبری سنا دیں۔

عارفین کی فضیلت

قولہ تعالیٰ: اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا الکھف:2

ترجمہ: یہ خوشخبری دے کہ ان کو اچھا اجر ملے گا۔

''اور یہ اجر رؤیت اور مشاہدہ بلا حجاب ہے اللہ تعالیٰ کا''

فرماتے ہیں جس طرح سب سے بڑا عذاب حجاب ہے اسی طرح سب سے بڑا اجر جو ہے وہ اللہ کا دیدار و رُویت اور مشاہدہ ہے۔ تو جن سے اجر حسن کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے تو اجر حسن یعنی سب سے بہتر اجر اللہ تعالیٰ کا دیدار، رُویت حق اور مشاہدہ حق ہے۔

شفقت کی فضیلت

قولہ تعالیٰ: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا (الکھف:6)

ترجمہ: سو شائد آپ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے۔

''اس میں اشارہ ہے حضور ﷺ کی مزید شفقت اور مخالفین کو موافق بنانے کے اہتمام کی طرف۔''

فرماتے ہیں اللہ نے اس آیہ کریمہ میں فرمایا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو آپ ﷺ کو اتنا دکھ ہوتا ہے کیونکہ حضور ﷺ رحمت للعالمین ہیں اور آپ ﷺ کی بعثت کے بعد بھی کوئی جہنم میں جائے تو حضور ﷺ کو اتنا دکھ ہوتا ہے کہ گویا جان ہی چلی جائے گی۔ فرماتے ہیں یہ حضور ﷺ کی انتہائی مہربانی انتہائی شفقت اور بے پناہ رحمت کی طرف اشارہ ہے۔ جو ایمان نہیں لاتے اگر ان کے لیے حضور اکرم ﷺ اتنا دکھ محسوس فرماتے ہیں تو جو ایمان لاتے ہیں کمزور سہی، کم علم سہی اور چھوٹے موٹے اعمال کرنے والے سہی بہت بڑی نیکیاں نہ سہی اس کے باوجود ان پر شفقت نبوی کتنی ہوگی۔ وہ کسی فارسی شاعر نے کہا تھا۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

یعنی تیرا کرم دشمنوں پر بھی ہے تو ان کا بھی خیال رکھتا ہے تو دوستوں کو محروم کرنے کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا۔

خلق میں حق کا مشاہدہ

قولہ تعالیٰ: اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (الکھف:7)

ترجمہ: ہم نے زمین پر کی چیزوں کو اس کے لیے باعث رونق بنایا تا کہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں زیادہ اچھا عمل کون کرتا ہے۔

اس حسن عمل میں یہ بھی داخل ہے کہ ان اشیاء ارضیہ، انہار

اکرم التفاسیر

سورۃ الکہف آیات 102 تا 110

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی
حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ
کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ میرے بندوں کو میرے سوا (اپنا) کارساز بنائیں گے یقیناً ہم
دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿102﴾ قُلْ
نے کافروں کی دعوت کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ فرما دیجیے کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ جو لوگ
ہَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿103﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ
اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں ہیں۔ وہ جن کی محنت دُنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ
سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَ ہُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّہُمْ یُحْسِنُوْنَ
سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیات اور
صُنْعًا ﴿104﴾ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمْ وَ لِقَآئِہٖ
اس کے سامنے جانے کو ماننے سے انکار کر دیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے سو ہم قیامت کے دن
فَحَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ﴿105﴾
ان کے لیے (نیک اعمال کا) کوئی وزن قائم نہیں فرمائیں گے۔ اس لیے ان کی سزا جہنم ہے کہ انہوں
ذٰلِکَ جَزَآؤُہُمْ جَہَنَّمُ بِمَا کَفَرُوْا وَ اتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَ رُسُلِیْ
نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے پیغمبروں کی ہنسی اُڑائی۔ یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام
ہُزُوًا ﴿106﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتْ
کیے ان کے لیے جنت الفردوس (میں) مہمانی ہو گی۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کہیں اور
لَہُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿107﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا لَا یَبْغُوْنَ
جانا نہ چاہیں گے۔ فرما دیجیے کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے لیے روشنائی بن جائے تو
عَنْہَا حِوَلًا ﴿108﴾ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ
میرے پروردگار کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اور اگرچہ اس کی مدد کے لیے ہم
لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ
ایک اور (سمندر) لے آئیں۔ فرما دیجیے کہ بے شک میں تمہاری طرح کا بشر (آدمی) ہوں (البتہ)
مَدَدًا ﴿109﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـہُکُمْ
میرے پاس وحی آتی ہے یہ کہ تمہارا معبود وہی ایک معبود ہے پھر جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی
اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ
اُمید رکھے پس چاہیے کہ وہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت
لَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ﴿110﴾
میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ...... فرمایا، کافروں نے کیا یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ اللہ کریم کو چھوڑ کر مخلوق کو اپنا کارساز، اپنا مددگار اور معاون سمجھ لیں گے تو کیا اس کی کوئی پروا نہیں کی جائے گی یا اس پر اللہ کریم کا غضب نازل نہیں ہو گا؟ دراصل شرک کی ساری بنیاد آخرت کو بھلا دینے پر ہے۔ آخرت کا یقین آدمی کو کفر و شرک سے محفوظ رکھتا ہے لیکن جب مقصد ہی دُنیا ہو جائے اور آخرت فراموش ہو جائے تو پھر آدمی دُنیا ہی کے وسائل اور دُنیا ہی کی باتیں سوچتا ہے اور اسے دُنیا ہی کی چیزیں نظر آتی ہیں جن کے لیے وہ ہمہ وقت دوڑتا رہتا ہے۔ تو فرمایا عجیب بات ہے کہ میری واحد لاشریک ذات کو چھوڑ کو میری ہی مخلوق کو اپنا کارساز بنا لیتے ہیں اور میرا منصب مخلوق میں سمجھ لیتے ہیں تو یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان: 13) بہت بڑا جرم یہ ہے کہ اللہ کی ذات یا اُس کی صفات میں کسی کو شریک کیا جائے، پھر اُس کا انجام یہ ہوگا

اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ..... اُن کی مہمانی کے لیے اللہ کریم نے جہنم تیار کر رکھا ہے۔ شرک پر کسی کا خاتمہ ہو جائے، کفر پر کسی کا خاتمہ ہو جائے تو اُس کی نجات کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی وہ خوش نصیب ہے جسے زندگی میں توبہ رجوع الی اللہ نصیب ہو جائے۔ اگر موت کفر وشرک پر آجائے تو پھر ہمیشہ ہمیشہ کے عذاب اُس کے مقدر ہو جاتے ہیں جو بہت بڑی تباہی ہے لیکن انسان دنیا میں اس قدر کھو جاتا ہے کہ اُسے ہر طرف صرف دُنیا ہی نظر آتی ہے اور وہ اسی کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام جب مبعوث ہوتے ہیں تو وہ دلوں کو نور اور روشنی عطا فرماتے ہیں اور یہ دل ہے جسے جب ایمان نصیب ہوتا ہے تو یہ آخرت کے لیے انسان کو متوجہ کرتا ہے اور اُس کے اعضاء و جوارح کو آخرت کے حصول پر لگا دیتا ہے۔ دُنیا کی مصیبت یہ ہے کہ بے شمار لوگ نورِ ایمان سے محروم ہیں اور انہوں نے اسی میں اپنے لیے عافیت ڈھونڈ لی ہے کہ ہمیں اس نور کی ضرورت ہی نہیں جب ہمارا کھانا پینا اچھا چل رہا ہے، گھر اچھے ہیں، گاڑیاں، موٹریں، لباس اچھے ہیں تو اور تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ سوچ اس لیے ہے کہ دل مُردہ ہیں، نورِ ایمان سے خالی ہیں۔

انسان کے علم کے ذرائع تین ہیں جو قرآن کریم نے بتائے، سمع و بصارت اور قلب (دل)۔ سمع و بصارت تو فطری طور پر ہر ایک کو حاصل ہوتی ہے اس سے علوم بھی حاصل کرتا ہے، ذرائع بھی جانتا ہے، چیزوں سے محظوظ ہوتا ہے، لطف اندوز ہوتا ہے۔ تیسرا اور حقیقی ذریعۂ علم دل ہے۔ یہ دونوں ذریعے یعنی سمع و بصارت بھی تب صحیح کام کرتے ہیں جب تیسرا ذریعۂ علم 'دل' زندہ ہو۔ اگر دل زندہ ہو جائے تو پھر انہیں بھی ہر چیز میں عبرت اور نصیحت اور آخرت حاصل ہوتی ہے ورنہ پھر یہ بھی حصولِ زر میں اور دنیوی ضرورتوں میں کھوئے رہتے ہیں اور دُنیا کی زندگی ختم ہوتی ہے تو دنیوی سہولتیں اور دنیوی ذرائع مال و دولت سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ ابد کے لیے انہوں نے کچھ تیار نہیں کیا ہوتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب بندہ دُنیا میں کھو جاتا ہے تو پھر اسے عظمتِ الٰہی بھی نظر نہیں آتی پھر وہ دُنیا ہی کی پوجا میں لگا رہتا ہے یا دُنیا داروں کی پوجا میں لگا رہتا ہے اور یوں کفر و شرک تک میں مبتلا ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا، جو لوگ میرے علاوہ مخلوق کو معبود بنا لیتے ہیں اور اپنا کارساز بنا لیتے ہیں تو ان کے یہ مددگار، معاون، دوست تو دنیا میں ہیں۔ دنیا کے یہ چند روز ہیں گزر جائیں گے۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا .... جن کا کفر پر خاتمہ ہوگا، اُن کے لیے ہم نے دوزخ تیار کر لی ہے اور دوزخ بہت ہی بُری، بہت ہی تکلیف دہ جگہ ہے۔ فرمایا، فرما دیجیے لوگو! هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا .... میں تمہیں اُن لوگوں کے بارے بتاؤں جو اپنے کردار اور اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارے میں جا رہے ہیں، نقصان میں جا رہے ہیں؟ یعنی عجیب بات یہ ہے کہ رات دن محنت بھی کرتے ہیں، مجاہدہ بھی کرتے ہیں، راتوں کو بھی جاگتے ہیں، دنوں کو بھی مشقت کرتے ہیں لیکن وہ سب کچھ ضائع جا رہا ہے، اکارت جا رہا ہے۔ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا .... یہ وہ لوگ ہیں جن کی ساری کوششیں محض حصولِ دُنیا میں لگی ہوئی ہیں۔ یہ حد سے بڑھ کر محنت کرتے ہیں، رات دن کوشاں رہتے ہیں، ان کے پاس کوئی وقت فرصت کا نہیں ہے۔ جدید ایجادات نے تو انسانوں کو اور مصروف کر دیا ہے، کھانا کھاتے ہوئے بھی ٹیلی فون بج رہا ہے یا کسی سے بات کر رہے ہیں اور یا پھر ٹی وی دیکھ رہے ہیں یا اپنے بزنس کی بات ہو رہی ہے، کسی کی خوشامد ہو رہی ہے، کہیں سے حصولِ زر کی کوشش ہو رہی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ جب انہیں دُنیا کی دولت حاصل ہوتی ہے یا دنیوی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ..... سمجھتے ہیں کہ میں بہت کامیاب انسان ہوں، میں بہت اچھا کام کر رہا ہوں، میں بہت بہتر کر رہا ہوں۔ اسلام، حصولِ زر سے، دُنیا کی نعمتیں جائز وسائل سے کمانے سے، جائز طریقے پر خرچ کرنے سے، آرام سے رہنے سے منع نہیں فرماتا لیکن جب بندہ اللہ کو بھول کر دُنیا میں گم ہو جائے تو یہ بہت نقصان کی بات ہے۔ حلال طریقے سے دُنیا کمائے تو اُس کی

ہر محنت میں اللہ کی یاد موجود ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اتباع موجود ہوتا ہے، آخرت کی یاد موجود ہوتی ہے، اسی لیے اسے تو دُنیا کہا نہیں گیا وہ تو سارا دین ہے۔ اگر حلال روزی کمانے کے لیے محنت کرتا ہے تو اللہ کا حکم ہے کہ محنت کرے تو وہ تو دین ہو گیا، اللہ کا حکم بجالانا تو عبادت ہے، خود کھاتا ہے، حلال رزق سے بچوں کو پالتا ہے، تو وہ عبادت ہے، دُنیا تو نہ ہوئی وہ تو دین ہو گیا کیونکہ اللہ کا حکم ہے ایسا کرو، تو اللہ کا حکم بجالانا تو دین ہے، اس لیے حضور ﷺ کے ارشادِ عالی کا مفہوم ہے کہ مومن کی دُنیا بھی دین ہے جبکہ کافر کا دین بھی دُنیا ہے۔ وہ دین کے نام پر بھی دُنیا کی رسومات ہی ادا کرتا ہے اور اس سے مقصد بھی حصولِ دُنیا ہی ہوتا ہے اور جو لوگ اللہ کریم کو بھول کر اندھا دھند حصولِ دنیا میں لگ گئے، جائز ناجائز طریقے سے دولت جمع کر رہے ہیں، جائز ناجائز وسائل سے اقتدار حاصل کر رہے ہیں، جائز ناجائز طریقے سے بڑے آدمی بنتے جا رہے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم بہت کامیاب ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا .....

اُن کی مصیبت یہ ہے کہ جب وہ اللہ کریم کی آیات اور اُس کے حضور پیشی کو بھول کر یا اُس کا انکار کر کے صرف دُنیا میں لگ گئے تو دُنیا کی وہ ساری محنت جس میں اللہ کی یاد نہ ہو، اللہ کے ساتھ ایمان نہ ہو، آخرت کا یقین نہ ہو اور جس کا طریقہ حضورِ اکرم ﷺ کی اتباع کے مطابق نہ ہو، آپ ﷺ کے ارشادات کے مطابق نہ ہو تو اُس کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔ فرمایا: فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ..... قیامت کے دن اُس کا کوئی وزن نہیں ہوگا، اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، وہ خاک کی طرح اُڑ جائے گا کیونکہ وہ باطل ہے اور باطل کا مقدر تباہی اور بربادی ہے۔ سب سے زیادہ نقصان میں وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ مجھے عہدہ مل گیا، میں بڑا کامیاب ہوں، مجھے حکومت مل گئی، اقتدار مل گیا، میں بڑا کامیاب ہوں، مجھے دولت مل گئی میں بڑا کامیاب ہوں، شہرت مل گئی میں بڑا کامیاب ہوں۔ فرمایا، یہ سب وقتی اور لمحاتی چیزیں ہیں۔ تم سے زیادہ امیر لوگ دُنیا سے رُخصت ہو گئے، انہیں کوئی نہیں جانتا، تم سے زیادہ عہدیدار اور بڑے بڑے مطلق العنان حکمران دُنیا سے چلے گئے اب انہیں کوئی نہیں جانتا، تم بھی چلے جاؤ گے مٹ جاؤ گے کچھ نہیں ہوگا۔

ہر عمل میں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ جب اللہ کے حضور پیش ہوگا، بارگاہِ الٰہی میں جائے گا، میدانِ حشر میں ہوگا تو اُس کا کوئی وزن ہونا چاہیے۔ فرمایا یہ لوگ جو آخرت کو اور اللہ کے حضور پیشی کو بھول کر اندھا دھند دُنیا میں لگے ہوئے ہیں، اِن کے کردار کا تو کوئی وزن نہیں ہو گا کیونکہ وزن ہوتا ہے نورِ ایمان سے اور اتباعِ شریعت سے۔ آخرت میں ہر کام کا وزن یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہو اور اُس کا طریقہ وہ ہو جو اللہ کے رسول ﷺ نے بیان فرمایا یا اختیار فرمایا۔ اللہ کی اطاعت ہو اور حضور ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو ان دو شرطوں کے ساتھ جتنا پھر اس میں خلوص ہوگا اُتنا اس میں وزن ہوگا۔

حضورِ اکرم ﷺ کا ایک ارشادِ عالی ہے جس کا مفہوم ہے کہ زندگی میں جس کی ایک تسبیح قبول ہوگئی اُس کی نجات کے لیے کافی ہے یعنی زندگی میں کسی نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اور وہ قبول ہو گیا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا قبول ہو گیا۔ زندگی میں ایک بار سبحان اللہ کہا قبول ہو گیا، ایک بار الحمد للہ کہا قبول ہو گیا تو وہ نجات کے لیے کافی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ خلوص سے ہو اور حضور ﷺ کے دائرہ اطاعت کے اندر ہو۔

کچھ لوگوں نے قرآنِ کریم سے عملیات بنانا شروع کر دیئے ہیں کہ قرآن کی فلاں آیت کو ایسے لکھو، فلاں کو اُلٹا لکھو، فلاں کو سیدھا لکھو، فلاں کو کالے بکرے کے خون سے لکھو، فلاں کو مرغ کے خون سے لکھو حتیٰ کہ پیشاب تک سے لکھتے ہیں، اب کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ آیات تو قرآن ہی کی لکھ رہے ہیں کیا اس پر ثواب ہوگا یا عذاب ہوگا۔ قرآن کوئی جادو کی کتاب نہیں ہے، اللہ کی کتابِ ہدایت ہے اور اللہ اور بندے کے رشتے پہ بحث کرتی ہے، دُنیا اور آخرت سے بحث کرتی ہے،

کفر واسلام کی نشان دہی کرتی ہے، حق اور باطل کے درمیان فرق واضح کرتی ہے۔ اب جو اس کا مقصد ہے اسے چھوڑ کر اسے حصولِ دُنیا کا ذریعہ بنالو کہ اتنے پیسے دے دو، یہ تعویز لواتنے دے دو۔ تو اللہ کی بارگاہ میں حضوری انہیں یادنہیں ہے کہ کل بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونا ہے۔ جب یہ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے تو انہوں نے اللہ پر ایمان کے بغیر اور آخرت کی حاضری کو مانے بغیر سارا مجاہدہ، ساری محنت جو کی ہوگی اُس کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی وہ کوئی کام نہیں آئے گی، اُس میں کوئی وزن نہیں ہوگا، ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا..... اور اس کی سزا ان کے لیے جہنم ہوگی اس لیے کہ انہوں نے انکار کا راستہ اختیار کیا اور میری آیات اور میرے انبیاءؑ کا مذاق اُڑایا۔ اللہ کی آیات سنتے تھے تو مذاق کرتے تھے کہ یہ کب ہوگا، کیسے ہوگا؟ جب بدن مٹی میں مل جائیں گے تو پھر کیسے بنیں گے، موت کے بعد تو ہم نے کسی کو زندہ ہوتے دیکھا نہیں۔ اگر موت کے بعد زندگی ہے تو ہمارے باپ داداؤں کو زندہ کرلاؤ۔ اس طرح کے طنز کرتے تھے، مذاق اُڑاتے تھے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منصبِ نبوت کا مذاق اُڑاتے تھے۔

کفار ومشرکین تو کردار سے بھی، الفاظ سے بھی مذاق اُڑاتے تھے لیکن جو شخص دعویٰ ایمان بھی رکھتا ہے اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت نہیں کرتا، زندگی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے بسر نہیں کرتا وہ کیسا عجیب آدمی ہے، وہ کیسا عجیب ایمان ہے، اُس کا کہ ایک ہستی کو نبی بھی مانتا ہے اور اُس کا اتباع بھی نہیں کرتا، اطاعت بھی نہیں کرتا۔ یہ تو دو متضاد باتیں ہیں، اطاعت نہ کرنا نہ ماننے کے مترادف ہے۔ جب کوئی آیتِ کریمہ اس طرح کی آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ تو کافروں کے لیے ہے اور ہم بے فکر ہو جاتے ہیں کہ میں کافر تو نہیں۔ یہ آیات کافروں کے لیے ہی ہیں لیکن کفر ہے کیا؟ اللہ پر ایمان نہ لانا، اللہ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لانا ہی کفر ہے نا۔ ہم تو ایمان لے آئے۔ ایمان نہ لانے اور ایمان لانے میں فرق کیا ہے؟ ایمان نہ لانے والا بات نہیں مانتا، اطاعت نہیں کرتا۔ ایمان لانے والا ساری باتیں مانتا ہے، اطاعت کرتا ہے۔ اگر کوئی ایمان کا دعویٰ کرکے اطاعت نہیں کرتا تو پھر اُس کا ایمان کیسا ہے؟ آپ کسی سے کہتے ہیں مجھے پانی کا ایک گلاس پلا دو، وہ کہتا ہے جی آپ کی بات مان لی لیکن میں آپ کو پانی نہیں پلاتا تو آپ کیا سمجھیں گے کہ کیا اُس نے آپ کی بات مانی؟ جب ہم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے معاملہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور کلمہ بھی پڑھتے ہیں لیکن کام اپنی مرضی سے کریں گے جیسے خود کو پسند ہے ویسے کریں گے، جیسا آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہیں کریں گے۔ ایمان لائے ہیں لیکن سود بھی کھائیں گے، ایمان لائے ہیں لیکن عبادت بھی نہیں کریں گے، ایمان لائے ہیں لیکن نیکی اختیار نہیں کریں گے تو یہ کون سا ایمان ہے؟ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ کہہ دینا کہ میں ایمان لایا ہوں، میں مسلمان ہوں یہ ایک دعویٰ ہے۔ ہر دعویٰ اپنے گواہوں سے ثابت ہوتا ہے نرا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس پر شہادت موجود ہوتی ہے تب وہ ثابت ہوتا ہے۔ ایمان بھی ایک دعویٰ ہے اور اس پر گواہ ہیں اعمال۔ اگر اعمال اُس کی تائید کرتے ہیں تو دعویٰ سچا ہے اور اعمال اُس کی تردید کرتے ہیں تو دعویٰ سچا نہیں ہے۔ تو ہمیں دوسروں پر آیات چسپاں کر کے آگے نہیں گزر جانا چاہیے بلکہ ہر آیت کے آئینے میں اپنے اندر جھانکنا چاہیے۔ قرآن کی ہر آیت شیشہ دکھا دیتی ہے، آئینہ دکھا دیتی ہے، تمثیل سامنے رکھ دیتی ہے۔ ہمیں خود کو جانچنا چاہیے کہ میں خود کتنا اس میں فٹ ہوں اور کتنا اُس سے باہر ہوں۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً .... پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ سوچ سے لے کر کردار تک اور علم سے لے کر عمل تک سارے کے سارے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ فرمایا، جنہوں نے آخرت کو بھول کر رشوت، ڈاکہ، چوری سے دولت جمع کرلی یا چھینا جھپٹی سے، ہیرا پھیری سے عہدے حاصل کر لیے تو یہ چند روزہ زندگی ہے گزر جائے گی۔

ان کے اِن غیر شرعی اُمور کا محاسبہ حشر میں ہوگا، آخرت

میں کوئی وزن نہیں ہوگا کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور انجام کار اُن کے اس کردار کی سزا جہنم ہوگی، اس لیے کہ انہوں نے نہ اللہ کی عظمت کا لحاظ کیا اور نہ انبیاء ؑ کا اور نہ اللہ کی آیات کا بلکہ تمسخر اُڑاتے اور مذاق کرتے رہے تو اس کے نتیجے میں جتنا زیادہ انہوں نے دُنیا میں عیش کر لیا جتنا زیادہ اقتدار کما لیا جتنی زیادہ دولت جمع کر لی تو اُس سب کا محاسبہ ہوگا، اتنی ہی زیادہ تکلیف بھی ہوگی اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ...... فرمایا، جن لوگوں کو ایمان نصیب ہوا جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے۔ قرآن کریم میں جہاں بھی ایمان کا تذکرہ آتا ہے ساتھ عملِ صالح کی بات آجاتی ہے۔ عملِ صالح یا اچھا کام کون سا ہے؟ میرے خیال میں دُنیا میں جو بھی کوئی کام کرتا ہے وہ اپنی طرف سے بُرا نہیں کرتا۔ سمجھتا ہے میں اچھا ہی کر رہا ہوں تو ہر بندے کا اپنا اچھائی کا معیار ہے لیکن درحقیقت اچھائی کیا ہے اچھا کام کون سا ہے؟ ہر وہ کام اچھا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہو۔ جہاں کوئی کام حضورِ اکرم ﷺ کے حکم کی حدود سے باہر چلا جائے اُس میں کوئی اچھائی نہیں ہے خواہ وہ عبادت ہو۔ عبادات کے لیے بھی ضروری ہے کہ حضور ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے اندر ہو۔ فجر کے دو فرض ہیں ایک بندہ کہتا ہے جی میں فارغ ہوں دن بھر تو مجھے کوئی کام نہیں ہوتا میں دو کی بجائے چار پڑھوں گا۔ چار پڑھے گا تو وہ دو بھی ادا نہیں ہوں گے کیونکہ صرف فرض پڑھنا مقصود نہیں ہے اُس طرح سے، اُس حدود اور قاعدے کے مطابق پڑھنا ضروری ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ نے سمجھایا ہے۔ یہی حال سارے اعمال کا ہے، اپنی رائے سے، اپنی پسند سے عمل کرے گا تو اُس کا ذمہ دار وہ خود ہوگا، حضور ﷺ کی سنت کے مطابق کرے گا تو وہ اللہ کو قبول ہوگا تو ہمیں اپنے اعمال کو اس نظر سے پرکھنا چاہیے۔ الحمد للہ ہمارا دعویٰ بھی ہے اور اللہ ہمیں نصیب بھی کرے لیکن فرمایا، اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ...... یقیناً جو لوگ ایمان لائے ہیں اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ عمل بھی صحیح کرتے ہیں ایمان کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں کَانَتۡ لَہُمۡ جَنّٰتُ الۡفِرۡدَوۡسِ نُزُلًا ...... اور اُن کے لیے اللہ نے جنت میں ان کی مہمانی تیار کر رکھی ہے۔ اور جنت اتنی بڑی نعمت ہے اور ایسی عظیم دولت ہے خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا لَا یَبۡغُوۡنَ عَنۡہَا حِوَلًا ..... اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کہیں جانا بھی نہیں چاہیں گے یعنی اُس کی بے پناہ نعمتیں ہیں کہ کوئی جنتی یہ نہیں سوچے گا کہ میں یہاں سے چھوڑ کر کہیں اور چلا جاؤں، وہاں مجھے اور نعمتیں مل جائیں گی۔ اتنی بے پناہ نعمتیں، بے پناہ راحتیں، بے پناہ لذتیں اور اُس کی اتنی نعمتیں ہیں کہ اہلِ جنت، جنت کو چھوڑ کر کہیں جانے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ عجیب بات ہے انسان تو شاہی محلات میں رہ کر بھی اُکتا جاتا ہے، اسے یہ لالچ ہوتا ہے کہ فلاں کا محل بھی قبضہ میں لے لوں، فلاں کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لوں۔ کتنے انسان لڑتے بھڑتے مر گئے، انسان کا جی سیر نہیں ہوتا تو یہ جنت کیسی جگہ ہے کہ جہاں اُس کا جی بھر جائے گا اور وہ وہیں مقیم ہو جائے گا۔ فرمایا، جنت کی نعمتیں اللہ کی عطا ہیں اور اللہ کی عطائیں لامحدود ہیں اُن کی کوئی حد نہیں قُلۡ لَّوۡ کَانَ الۡبَحۡرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیۡ لَنَفِدَ الۡبَحۡرُ قَبۡلَ اَنۡ تَنۡفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیۡ وَ لَوۡ جِئۡنَا بِمِثۡلِہٖ مَدَدًا ..... اللہ جل شانہٗ کی باتیں اور اُس کی عظمت کی باتیں اور اُس کی نعمتوں کی باتیں، اُس کی عطا کی باتیں، اُس کی داد و دہش کی باتیں، جس نے جنت بنائی ہے اُس کے کرم کی باتیں اگر تم لکھنا شروع کر دو اور یہ سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور لکھتے لکھتے سمندر ختم ہو جائیں اتنے ہی اور بھی لے آئیں وہ بھی ختم ہو جائیں تو اللہ کی باتیں، اُس کی صفات، اُس کی شان کا ذکر ختم نہیں ہو سکتا۔ وہ بڑی قدرت والا، بڑی شان والا اور جنت کی نعمتیں اور اُن میں لذتیں بنانے والا ہے۔ لہٰذا جنت کی نعمتیں اور جنت کی لذتیں کبھی ختم نہیں ہوں گی بلکہ جنتی اگر ایک ہی پھل سے یا ایک ہی کھانے سے، ایک لقمہ کھائے گا تو جتنا وہ لذیذ ہوگا تو اسی کھانے سے یا اُسی پھل سے دوسرا لقمہ پہلے سے زیادہ لذیذ ہوگا۔ جنت کی نعمتیں اور لذتیں بڑھتی ہی جائیں گی، انسان عادی نہیں ہو سکے گا کہ روزانہ وہی چیزیں ہیں اُن کا عادی ہو گیا۔ انسان جب ایک چیز کا عادی ہو جاتا ہے تو

پھر مزید مانگتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی چیز ہونی چاہیے۔ جنت کی تو ہر نعمت، ہر لذت ہر لحہ بڑھتی رہے گی، اس لیے انسان وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہے گا۔ یہ نعمتیں اُس ہستی نے بنائی ہیں کہ جس کی باتیں، جس کی شان، جس کی صفات اگر تم لکھنا چاہو اور ایسا ممکن ہو کہ یہ سارے سمندر سیاہی بن جائیں اور اُس سیاہی کو استعمال کر کے تم لکھتے جاؤ، تو سارے سمندر ختم ہو جائیں اتنے ہی پھر اور لے آؤ تو بھی اللہ کی باتیں اور اُس کی صفات، اُس کی شان، اُس کی عظمت ختم ہونے میں، احاطہ کرنے میں نہیں آئے گی۔ بنانے والے کا کرم اتنا ہے اور جنت اُس نے بنائی بھی ایسی ہے کہ اُس کی لذتیں ابدالآباد کبھی ختم نہیں ہوگی، بڑھتی جائیں گی، روز افزوں زیادہ ہوتی جائیں گی۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ انہیں فرما دیجیے کہ یہ ساری بات، یہ آخرت کی بات، یہ عظمتِ الٰہی کی بات، یہ جنت کی بات میں تمہیں اس لیے نہیں کہہ رہا کہ تم میری پوجا شروع کر دو۔ نہیں تم بھی انسان ہو آدم علیہ السلام کی اولاد ہو، میں بھی انسان ہوں۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہوں، معبود نہیں ہوں، میں خود اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں، تم سب کو عظمتِ الٰہی سے آشنا کرنے والا ہوں۔ يُوْحٰٓى اِلَيَّ انسان تم بھی ہو، انسان میں بھی ہوں لیکن میری تخصیص یہ ہے کہ مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، اللہ کی طرف سے احکام آتے ہیں، اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے وہ میں تم میں بانٹ رہا ہوں۔ میں خود اللہ کی عبادت کرتا ہوں تم بھی اللہ کی عبادت کرو۔

مجھے ایک دفعہ اوکاڑہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اوکاڑہ چھاؤنی میں فوجیوں نے ربیع الاول کے ماہِ مبارک میں ایک پروگرام بنا رکھا تھا۔ جنرل ضیاء الحق (مرحوم) کا عہد تھا، اللہ اُن کی مغفرت فرمائے تو انہوں نے مجھے بلایا۔ میں وہاں گیا تو وہاں کچھ بچوں نے جو فوج میں نئے نئے آئے ہوئے آفیسرز بھی تھے کچھ پرانے کچھ نئے تھے۔ تقریریں کیں آخر میں میرا بیان تھا۔ ایک لڑکا سا تھا سیکنڈ لیفٹیننٹ، نیا نیا آرمی کا کول سے پاس ہو کر آیا تھا۔ اُس نے حضورِ اکرم ﷺ کی ذات پر بڑا خوبصورت مقالہ پڑھا۔ اُس میں ایک بات یہ بھی تھی جو مجھے کبھی نہیں بھولتی کہ جب اللہ کی مخلوق حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوئی تو کوئی بھی بڑا آدمی، جب لوگ اُس کے پیچھے لگ جاتے ہیں تو لوگوں سے اپنی بڑائی منواتا ہے، حضورِ اکرم ﷺ کو جب مخلوق نے قبول کرنا شروع کیا اور مسلمانوں کی کثرت ہونا شروع ہوئی تو کسی شخص کو حضور ﷺ نے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور نہیں کیا، اپنے سامنے جھکنے کی دعوت نہیں دی، بلکہ فرمایا، میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں، میرا کام ہے تمہیں دین بتانا۔ عبادت تمہیں بھی اللہ کی کرنی ہے اور مجھے بھی اللہ کی کرنی ہے تو میرے برابر کھڑے ہو جاؤ، میں بھی اللہ کے سامنے سربسجود ہوتا ہوں تم بھی اللہ کے سامنے سربسجود ہو جاؤ۔ اُس نے کہا کہ یہ کام صرف سچا نبی ﷺ ہی کر سکتا ہے کوئی دنیوی لیڈر نہیں کر سکتا، دنیادار نہیں کر سکتا۔ جس کے پاس چار بندے جمع ہو جائیں وہ اُن کو اپنی خدمت پر لگا دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جیسے میں سجدہ کرتا ہوں ویسے تم بھی سیدھے اللہ کو سجدہ کرو۔ آپ ﷺ نے بندوں کو اللہ سے واصل کر دیا۔ یہاں وہی بات ارشاد ہو رہی ہے۔ فرما دیجیے، یقیناً اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ .... میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں مجھے بھی میری والدہ محترمہ نے جنا، میرے بھی والد بزرگوار تھے، میری بھی نسل تھی، میرے بھی دادا پڑدادا تھے، میں بھی آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں، میں بھی کھاتا پیتا ہوں، لباس پہنتا ہوں، سوتا ہوں، جاگتا ہوں، جو بشری تقاضے ہیں وہ سارے میرے اندر بھی موجود ہیں تم بھی بشر ہو میں بھی بشر ہوں۔ لیکن فاصلہ اس طرح بڑھ گیا ہے کہ يُوْحٰٓى اِلَيَّ .... مجھ پر اللہ کریم کی طرف سے وحی آتی ہے لہٰذا میں امام بن گیا ہوں، اللہ کی طرف دعوت دینا میرا منصب ہے اور تمہارا کام ہے اس دعوت کو قبول کر کے راہِ ہدایت پانا۔ انسان ہونے میں فرق نہیں ہے فرق یہ ہے کہ میں اللہ کا نبی ﷺ ہوں اور تم غیر نبی ہو۔ کیونکہ میں بھی تمہارے جیسا انسان ہوں تو انسان، انسان کی عبادت نہیں کرتا دونوں ایک طرح کے ہوتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ 20)

12-7-10

شیخ المکرمؒ کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

سوال: تفسیر بالرائے اور علم لدنی میں کیا فرق ہے؟
مفسر کے لیے کیا شرائط ہیں جیسا کہ ائمہ مجتہدین کے لیے ہیں۔

جواب: قرآن کریم کی تفسیر کا ایک حدود اربعہ، ایک Outline، ایک فریم ورک ہے جو سارے کا سارا حضور ﷺ کے ارشادات پر مبنی ہے۔ اس حدود کے اندر جو تشریح آپ کریں گے جو اس سے متصادم نہ ہو وہ تفسیر بالرائے نہیں ہو گی۔ جب کوئی ایسی بات کرے گا جو ارشاداتِ نبوی ﷺ سے متصادم ہو تو وہ تفسیر بالرائے ہو گی اور قرآن میں تفسیر بالرائے بہت بڑا ظلم ہے، بہت بڑی جسارت ہے بلکہ جو بات حضور ﷺ نے ارشاد نہیں فرمائی اُسے حضور ﷺ کے حوالے سے بیان کیا جائے تو آپ ﷺ کا ارشاد موجود ہے، مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری) او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ اس نے اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالیا۔

علم لدنی پر میں زیادہ بحث نہیں کرتا، آپ کو ایک مثال دیتا ہوں۔ حضرت خضرؑ کے بارے اللہ کریم نے فرمایا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (الکھف: 65) ہم نے اسے بغیر کسی مدرسے، بغیر کسی استاد، بغیر کسی ظاہری سبب کے اپنی طرف سے علم عطا کر دیا۔ اب موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم، صاحب کتاب رسولؑ تھے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (النساء: 164) براہِ راست رب جلیل سے بات کرنے کا شرف حاصل تھا اور یہ معمولی بات نہیں ہے لیکن جتنے علوم آپؑ کو عطا کیے گئے وہ تشریعی تھے، اُنؑ کی شریعت کے مطابق تھے جو اس وقت کی ضرورت تھی۔ جو علوم خضرؑ کو دیے گئے وہ تکوینی اُمور سے متعلق تھے یعنی وہ اُمور جو من جانب اللہ (اللہ کے حکم سے) انجام دیے جاتے ہیں۔ اور نبیؑ تو تکوینی اُمور کا مکلف نہیں ہوتا۔ تکوینی اُمور پر اللہ کے فرشتے مامور ہوتے ہیں اور بعض اہل اللہ کے مقامات و منازل اتنے بلند ہو جاتے ہیں کہ وصال کے بعد ان کی ارواح کو بھی ان فرشتوں میں شامل کر دیا جاتا ہے جو تکوینی اُمور سرانجام دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت خضرؑ بھی تھے۔ حضرت خضرؑ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ اپنے وقت کے قطب مدار تھے، وصال کے بعد تکوینی اُمور پر مامور تھے۔ اب ان کا علم لدنی تکوینی اُمور کا تھا۔ وہ دنیا سے جا چکے تھے اور شریعت کے تو مکلف نہ تھے۔ بندہ شریعت کا مکلف ہوتا ہے جب تک اس کے پاس دُنیا کی زندگی ہے۔ دنیا سے جانے کے بعد اس کا مکلف نہیں رہتا، اس کا کام ختم ہو گیا۔ اب جو دنیا میں موجود ہیں وہ مکلف ہیں۔

جب ہم چار پانچ ساتھی حضرت رحمۃ اللہ کے ساتھ ہوتے تھے، جماعت وغیرہ کا تصور بھی نہیں تھا، دور دور تک نشان نہیں تھا تو ایک ساتھی ہوتا تھا، خان زمان۔ بڑا طاقتور زمیندار تھا، گاؤں کا نمبردار بھی تھا، فناء بقاء تک مراقبات بھی تھے اور مشاہدات بھی اچھے تھے۔ وہ اپنے کسی کام سے لاہور گیا۔ غالباً ہائی کورٹ میں اُسے کوئی کام تھا۔ لاہور گیا، اُسے تجسس ہوا تو وہ داتا صاحب کے مزار پر گیا، مراقبہ کیا، گفتگو ہوئی، ملاقات ہوئی، واپس آیا۔ میں حضرت رحمۃ اللہ کی خدمت میں موجود تھا، جب وہ وہاں وارد ہوا اور اس نے بیٹھتے ہی بڑی عجیب بات کہی۔ اب آدمی سادہ سا تھا اس نے کہا حضرت! میں داتا صاحب کے مزار پر حاضر ہوا، انہوں نے بڑی شفقت فرمائی، ملاقات بھی ہوئی، باتیں بھی کیں۔ میں نے عرض کی، حضرت یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ کے مزار کی تو پوجا ہو رہی

ہے، لوگ سجدے کر رہے ہیں اور آپؒ یہ سب کچھ برداشت کیے بیٹھے ہیں۔ وہ مسکرائے اور فرمایا یہ میرا کام نہیں ہے یہ تم لوگوں کا کام ہے۔ کہنے لگا، مجھے بات کی سمجھ نہیں آئی؟ حضرتؒ مسکرائے اور کہا کہ انہوں نے بجا فرمایا ہے، جب آدمی دُنیا سے چلا جاتا ہے تو برزخ میں وہ شرعی اُمور کا مکلف نہیں رہتا۔ اب جو دُنیا میں ہم اور آپ موجود ہیں ہم اس بات کے مکلف ہیں کہ لوگوں کو سمجھائیں اور ان کی اصلاح کریں۔ اب یہ ان کے ذمے نہیں ہے۔ انہوں نے صحیح فرمایا۔ اللہ اگر کسی کو تکوینی اُمور پر لگا دیتا ہے تو یہ اس کی عظمت ہے کہ اسے اس نے فرشتوں میں شامل فرما لیا۔

علم لدنی کی مثال موسیٰ علیہ السلام کے واقعے میں ہے کہ جب آپؑ نے فرعون کو حق کی دعوت دی تو فرعون نے کہا، یہ جادو ہے۔ اس کے مشیروں نے بھی کہا یہ جادو ہے لہٰذا جادوگروں کو بلاؤ۔ جادوگر بلائے گئے۔ اب جب پورے ملک کے جادوگر وہاں جمع ہوئے تو اُن میں سے جو چوٹی کے تھے، ان کی توقعات فرعون سے وابستہ تھیں۔ قرآن ان کی بات کو نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے، انہوں نے کہا، اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (الاعراف: 113) اگر ہم جیت گئے تو پھر آپ کو ہمیں انعام بھی دینا پڑے گا۔ فرعون نے کہا اس سے بڑا انعام کیا ہوگا کہ میں تمہیں اپنے دربار میں جگہ دے دوں گا، اپنے دربار میں اعلیٰ اور خاص درباری بناؤں گا۔ یعنی اُن کی ساری توقعات فرعون سے وابستہ تھیں۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا رَد کرنے اور اُن کا مقابلہ کرنے آئے تھے، قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب مقابلے کی گھڑی آئی تو انہوں نے نبیؑ سمجھ کر نہیں، انہوں نے اپنے فن کا ایک بہت بڑا عظیم جادوگر سمجھ کر ادب کیا اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام آپ پہلے اپنا کمال دکھائیں گے یا ہم دکھائیں؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ انہوں نے نبیؑ نہ مان کر بھی موسیٰ علیہ السلام کا جو ادب کیا وہ ان کے کام آ گیا، یعنی احترامِ نبوت ان کے کام آ گیا۔ وہی معجزہ قبطیوں نے بھی دیکھا تھا، فرعون نے بھی دیکھا اور انہیں ایمان نصیب نہیں ہوا اور وہی معجزہ جادوگروں نے دیکھا اور انہیں ایمان نصیب ہو گیا۔ جبکہ میدان میں اُترنے تک وہ آپؑ کے مخالف تھے۔ جادوگروں کے ایمان لانے پر فرعون نے کہا میں تمہارا ایک طرف کا پاؤں اور دوسری طرف کا بازو کاٹ دوں گا اور تم سب کو پھانسی دے دوں گا اور درختوں پر لٹکا دوں گا تو انہوں نے کہا جو کر سکتا ہے کر لے فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ (طٰہٰ: 72) لیکن تو اس دنیا کے فیصلے کرے گا۔ آخرت کا فیصلہ تیرے پاس نہیں ہے۔ پھر انہی جادوگروں نے پورا دین آگے بیان کر دیا کہ جو کفر کرے گا اس کی یہ سزا ہوگی اور جو ایمان لائے گا اُسے یہ انعام ملے گا۔ یہ ساری بات انہیں کس نے سکھائی؟ جو تبلیغ وہ فرعون اور آلِ فرعون کے سامنے کر رہے ہیں جس کی بہت سی باتیں قرآن نے نقل فرمائی ہیں۔ انہوں نے آخرت کا پورا نقشہ کھینچ دیا کہ جو کفر کی حالت میں آگے جائے گا اللہ کے غضب کا شکار ہوگا، جو اللہ پر ایمان لائے گا اس کی خطائیں معاف ہوں گی، اُسے قربِ الٰہی نصیب ہوگا، اُسے جنت نصیب ہوگی، اُس پہ یہ انعام ہوگا، وہ انعام ہوگا، انہیں یہ سب کچھ کس نے سکھایا؟ موسیٰ علیہ السلام سے تو اُن کی بات ہی نہیں ہو سکی۔ مخالفت میں آئے تھے، توقعات فرعون سے تھیں، اب وہ سارا برزخ کا، آخرت کا حال بتا رہے ہیں، کس نے انہیں بتایا؟ اللہ نے بتایا۔ کیسے بتایا؟ یہ علم لدنی ہے کہ براہِ راست اللہ کریم نے ان کے دل پر القا کر دیا۔

علم لدنی کی بھی شرط یہی ہے کہ وہ ان حدود سے باہر نہ جائے جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات ہیں جو سلف صالحین کے ارشادات ہیں۔ ان حدود کے اندر کوئی تشریح کرتا ہے تو درست ہے، ان سے باہر جائے گا تو وہ علم لدُنی نہیں، شیطانی وسوسہ ہوگا۔ یہ پہچان ہے علم لدنی کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ جنہیں اللہ کریم یہ نعمت عطا فرماتا ہے خود ان کی حفاظت بھی فرماتا ہے، وہ لوگ فضول باتیں نہیں کرتے۔ مجھے اسرار التنزیل کے چھپنے پر کسی بزرگ کا گرامی نامہ ملا۔ انہوں نے دو باتیں لکھیں کہ اسرار التنزیل کی کسی جلد کو میں نے بڑے غور سے پڑھا ہے مجھے دو باتوں پہ اعتراض ہے۔ آپ نے ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو

متقدمین نے نہیں لکھیں، باقی تفسیروں میں نہیں ملتیں، آپ کی تفسیر میں ہیں۔ دوسرا اعتراض مجھے یہ ہے کہ آپ نے کچھ اسرارِ الٰہی سے پردہ اُٹھا دیا ہے، ایسی باتیں جو اسرارِ الٰہی سے تعلق رکھتی تھیں آپ نے بیان کر دیں۔ میں نے انہیں جواباً مختصر سا عریضہ بھیجا کہ حضرت کوئی ایسی بات نوٹ کر کے مجھے تحریر فرمائیے کہ یہ ارشاداتِ نبوی ﷺ کی حدود سے باہر ہے یا ان سے ٹکراتی ہے یا ان سے متفاوت ہے، متضاد ہے تا کہ میں رجوع کروں اور توبہ کروں۔ اگر کوئی ایسی بات نہیں جو ان حدود سے متجاوز ہو تو ان حدود کے اندر رہ کر آیت کی تشریح یا حدیث پاک کی تشریح تو اچھی بات ہے۔ لوگوں کے لیے سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ دوسری بات جو آپ نے لکھی ہے کہ میں نے اسرارِ الٰہی ظاہر کر دیئے تو بھائی میں سمجھتا ہوں میں نے وہی کچھ لکھا ہے جو اللہ نے مجھے بتایا ہے۔ اللہ میرا خالق ہے، میرے مزاج کا خالق ہے، جو جانتا ہے کہ جو میں اسے بتاؤں گا یہ بندہ آگے بتا دے گا۔ جو بات اس نے چھپانی ہوتی تو مجھے بتاتا ہی نہیں۔ اللہ تو جانتا تھا کہ یہ آگے بتا دے گا جب ہی اس نے مجھے بتا دی اور میں نے آگے بتا دی۔ تیسری بات میں نے انہیں یہ لکھی کہ آپ کو کیا خبر کہ میں نے اسرارِ الٰہی ظاہر کر دیئے۔ میں سمجھتا ہوں جو میں نے ظاہر کیا یہ عام باتیں ہیں اور جو اسرارِ الٰہی میرے اور میرے اللہ کے درمیان ہیں وہ تو آپ لوگ برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ اگر میں بیان کروں تو آپ کا دماغ چکرا جائے، آپ قتل کے فتوے دے دیں اور آپ تلواریں سونت کر بھاگ پڑیں۔ اسرار کوئی بھی بیان نہیں کرتا اور جو بیان کیا جاتا ہے وہ بات چھپانے والی ہوتی نہیں ہے۔ پھر ان کا جواب نہیں آیا۔

تو علمِ لدنّی آپ حضرت خضر رحمۃ اللہ علیہ کے واقعہ سے اندازہ کر سکتے ہیں، آپ اُن لوگوں سے اندازہ کر سکتے ہیں جن کو صبح کے سورج نے جادوگر، فرعون کے در کا سوالی، موسیٰ علیہ السلام کا مخالف دیکھا اور اسی دن کے ڈوبتے سورج نے انہیں شہید دیکھا۔ جو تقریر انہوں نے فرعون کے سامنے کی وہ قرآن میں موجود ہے۔ انہوں نے سارا برزخ کھول کر رکھ دیا۔ یہ علم انہیں کہاں سے ملا؟ براہِ راست اللہ کریم سے، موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور موسیٰ علیہ السلام کی صحبت پانے سے ملا۔

سوال: دوسرا سوال ہے تو حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق، اُنہی سے پوچھا جانا چاہیے۔ جس ہستی نے جو فرمایا اس کا معنی اُسی سے پوچھا جانا چاہیے۔ سوال کیا ہے کہ ان اشعار کا مطلب کیا ہے؟

مرشد دا دیدار اے باہو
مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہُو

اسی طرح

جے تن میرا چشماں ہووے
مرشد دیکھ نہ رجاں ہُو

جواب: یہ اشارہ معیارِ صحابیت کی طرف ہے کہ کسی کو ایمان نصیب ہوا اور ایمان کے ساتھ اس کی نگاہ وجودِ اطہر رسول اللہ ﷺ پر پڑ گئی۔ اس ایک نگاہ نے اسے شرفِ صحابیت سے مشرف کر دیا۔ اور اگر حضور ﷺ کی نگاہ اس پر پڑ گئی تو نورٌ علیٰ نور ہو گیا۔ اگر کسی کی طرف حضور ﷺ کی نگاہِ مبارک متوجہ نہیں ہوئی لیکن ایمان لانے کے بعد اس نے حضور ﷺ کی زیارت کر لی تو وہ صحابیؓ ہو گیا۔

صحابیت سے مراد تو ہے صحبت یافتہ لیکن اس کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ رسولوں کے بعد انسانوں کا یہ اعلیٰ ترین طبقہ ہے جو حضور ﷺ کے دُنیا میں رونق افروز ہوتے ہوئے صحابیؓ بنے۔ وصالِ نبوی ﷺ کے بعد کوئی صحابیؓ نہیں بن سکتا۔ ہاں! برکاتِ نبوی ﷺ تا اَبد قائم رہیں گی اور اللہ کے طالب اس سے اپنی جھولیاں بھرتے رہیں گے اور اُن میں سے خوش نصیب ترین لوگ برکاتِ نبوی ﷺ بانٹنے والے ہوں گے جنہیں عرفِ عام میں اولیاء اللہ کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ، برکاتِ نبوت کے امین ہوتے ہیں، انہیں بانٹتے ہیں۔ خود صراطِ مستقیم پر قائم ہوتے ہیں، ان کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو کیفیاتِ قلبی نصیب ہوتی ہیں۔ ان کا سفر روشنی کی طرف ہو جاتا ہے، ان کی عملی زندگی میں مثبت تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے، وہ حرام سے بچنے والے، زبان کو بے جا گفتگو سے بچانے والے، فکرِ آخرت پر متوجہ رہنے والے، محبتیں کرنے

والے، محبتیں بانٹنے والے بن جاتے ہیں۔ ہمارے برصغیر میں ہزاروں سال پرانے مزارات موجود ہیں۔ یعنی صدیاں بیت گئیں لیکن لوگ ان بزرگانِ دین کا عزت واحترام کرتے ہیں۔ اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں ولی اللہ سمجھتے ہیں۔ ہم بھی اولیاء اللہ کی عزت کرتے ہیں لیکن یہ سند نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ولی اللہ ہے، یہ ہمارا فیصلہ ہے۔ اللہ کے نزدیک وہ بندہ کیا ہے وہ بندہ جانے اور اللہ جانے۔ ہوسکتا ہے ایک شخص کو ہم ولی اللہ سمجھتے ہیں اُسے ولایت نصیب نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو ہم ایک عام آدمی سمجھتے ہوں اور وہ پائے کا ولی اللہ ہو۔ ہمارے پاس تو کوئی سند نہیں ہے۔

صحابیتؓ کی شان یہ ہے کہ اگر دُنیا کی جتنی آبادی جو گزر چکی ہے اور جو آئندہ آئے گی اور جو موجود ہے، ساری ولایت سے مشرف ہو جائے، سارے اعلیٰ پائے کے ولی ہو جائیں اور سب کی ولایت جمع کی جائے تو صحابیؓ کی گردِ پا کو نہیں پاسکتے۔ شرفِ صحابیتؓ اتنا بلند ہے کہ باقی ساری مخلوق کے جتنے اعلیٰ پائے کے مفسرین، محدثین، فقہاء، آئمہ دین، ولی اللہ، اعلیٰ منازل، سب ان کی خاکِ پا سے کمتر درجہ رکھتے ہیں۔ تو پھر ایک نگاہ میں صحابیؓ ہو جانا شانِ صحابیتؓ ہے۔

فرماتے ہیں

مرشد دا دیدار اے باہو
مینوں لکھ کروڑاں حجاں ہُو

لاکھوں کروڑوں حجوں سے تو کوئی صحابیؓ نہیں بن سکتا لیکن ایک نگاہ کی زیارت سے وہ صحابیؓ ہو گئے۔ وہ جو کسی نے کہا تھا نہ

من سی پارۂ دل می فروشم

میں دل کے ٹکڑے بیچتا ہوں۔

بگفتہ قیمتش! اس نے کہا قیمت بتاؤ؟

گفتم نگاہے؟ میں نے کہا ایک نظر کے بدلے دے دوں گا۔

من سی پارۂ دل می فروشم
بگفتہ۔ قیمتش گفتم نگاہے

بگفتہ کم ترش، اس نے کہا بھئی کوئی مول تول کرو کوئی گھٹاؤ بڑھاؤ، منہ مانگی قیمت کون دیتا ہے۔ بگفتہ کم ترش۔ اس سے کم کرو۔ اس نے کہا گفتم کہ نگاہے، یار زندگی میں ایک نگاہ سہی۔ میں کب کہتا ہوں کہ روز کی نگاہ نصیب ہو، زندگی میں ایک نگاہ سہی۔ تو وہ ایک نگاہ اتنا کام کر جاتی ہے جو برسوں کی عبادت نہیں کرسکتی۔ عبادات سے ثواب مرتب ہوتا ہے اور نگاہ سے کیفیات بنتی ہیں۔

کیفیات از قسم ثمرات ہوتی ہیں، پھل ہوتا ہے۔ عبادت کا مقصد بھی اس پر ثمرات کا حصول ہے، اس پر پھل کا حصول ہے۔ اور اِک نگاہ سے جو کیفیت نصیب ہوتی ہے وہ نعمت عظیم ہے۔ دراصل یہ چیزیں سمجھانے سے سمجھ نہیں آتیں۔ واقعی کسی نے محبت کی ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے اور پھر محبت دُنیا کے لیے نہ ہو، وصولِ حق کے لیے ہو۔ محبت اللہ کے لیے، اللہ کے اس بندے سے ہو جہاں سے کیفیات ملتی ہوں تو تب جا کر ایک حد تک سمجھ آتی ہے۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفان نہیں ہوتا

ان باتوں کو سمجھنے کے لیے خود محبت کرنا پڑتی ہے۔ جس کے دل میں وہ طلب، وہ تڑپ، وہ محبت آجائے وہی ان باتوں کو ان چیزوں کو سمجھ سکتا ہے۔ کہنے کو آپ کہتے رہیں، تشریحات کرتے رہیں، باتیں بناتے رہیں۔ باتیں باتیں باتیں! باتوں میں کیا رکھا ہے جتنا اس میں اضافہ کرتے جائیں، باتیں بڑھاتے جائیں۔ باتیں ہوتی رہیں گی لیکن کچھ پلے نہیں پڑے گا۔ ان چیزوں کو سمجھنے کے لیے اللہ کے طالب بنیں۔ جب اللہ کریم محبوب بن جاتے ہیں تو پھر جتنے وسائل و ذرائع وصالِ محبوب کے ہوتے ہیں وہ بھی محبوب ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے بڑا واسطہ مخلوق و خالق کے درمیان بعثتِ عالی سے لے کر قیامِ قیامت تک آقائے نامدار ﷺ ہیں۔ پھر حضور ﷺ اور ہمارے درمیان کون واسطہ بنتا ہے؟ ہمارے اور ربّ العالمین کے درمیان واسطہ نبی کریم ﷺ کی ذات ہے۔ اور اس ذاتِ کریم اور ہمارے درمیان

کون واسطہ بنتا ہے؟ اور جو بنتا ہے وہ کتنا قیمتی ہوگا، اس سے کتنی محبت ہو گی؟ اُسے ایک نگاہ دیکھنے کی کتنی تڑپ ہوگی؟ یہ چیزیں کرنے کی ہیں، کہنے کی نہیں۔ اہلِ اللہ اور صوفیاء اپنی کیفیات کا اظہار کرتے رہتے ہیں جو ان پر وارد ہوتی ہیں کبھی شعروں میں، کبھی مضامین میں، کبھی باتوں میں۔ جس پر جو بیتتی ہے، وہ اس کی حرکات وسکنات، اس کی باتوں سے عیاں ہوتی رہتی ہے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جب ایک آدمی مفلس ہوتا ہے تو اس کے بات کرنے کا انداز اور ہو جاتا ہے۔ جب وہ امیر ہو جاتا ہے تو اس کی باتوں کا انداز بدل جاتا ہے۔ ہم روز عملی زندگی میں دیکھتے ہیں کہ بندوں کے اُٹھنے بیٹھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ بات کرنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ کوئی اقتدار سے معزول ہوتا ہے تو اس کی باتیں اور طرح کی ہوتی ہیں۔ کوئی اقتدار میں آجاتا ہے تو اس کا انداز اور طرح سے ہو جاتا ہے۔ کسی کے چہرے پر اُداسی ہوتی ہے، کوئی خواہ مخواہ ہنس رہا ہوتا ہے۔ تو اہلِ اللہ پہ یہ کیفیات وارد ہوتی ہیں۔

الحمد اللہ! میرا اپنا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ربع صدی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ساتھ، تعلق نصیب رہا۔ الحمد اللہ! شروع شروع کا زمانہ جو تھا وہ دو طرح سے مشکل تھا۔ ایک تو آج کل کی طرح ذرائع آمدورفت نہیں تھے۔ مجھے یاد ہے میں 1943 میں ایک دفعہ والدین کے ساتھ لاہور گیا تھا تو نور پور سے ہمیں بس ملی، اس نے ہمیں چکوال چھوڑ دیا۔ چکوال سے پھر بس ملی اس نے عصر کے بعد جا کر جہلم اُتارا۔ دن تو جہلم پہنچنے میں گزر گیا۔ اب کوئی ایسی بس نہیں ہوتی تھی جو جہلم سے لاہور جاتی بلکہ جہلم سے پہلے گجرات جاتی تھی پھر گجرات سے وزیر آباد، وزیر آباد سے گوجرانوالہ، پھر گوجرانوالہ سے لاہور۔ والدِ محترم، اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے نے فرمایا ہمیں بسیں بدلنے کے لیے رات یہاں رہنا ہوگا پھر صبح اگلی بس ملے گی پھر شاید ایک اور رات راستے میں آجائے تو رات کو عشاء کے وقت یہاں سے ٹرین جاتی ہے سو ہم بجائے وقت ضائع کرنے کے ٹرین پر جائیں گے۔ ہم ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ عشاء کے وقت سوار ہوئے اور فجر کے بعد اس ٹرین نے ہمیں لاہور پہنچایا۔ یعنی مسلسل سفر میں بھی صبح سے لے کر دوسری صبح تک چوبیس گھنٹے لگ گئے۔ اب تو دس گھنٹے میں بندہ لاہور سے ہو کر آجاتا ہے۔ میں نے بارہا تجربہ کیا ہے اس گیٹ سے نکل کر لاہور میں اپنے گھر کے گیٹ تک مجھے تین گھنٹے لگتے تھے۔ وہاں سے نکلتا تو یہاں پہنچنے میں تین گھنٹے لگتے تھے۔ گویا چھ گھنٹے میں بندہ آجا سکتا ہے۔ وسائل بدل گئے۔

شروع شروع میں جب ہم حضرت جیؒ کی خدمت میں جاتے تھے تو یہاں نور پور سے جو گاڑی ملتی تھی وہ منارہ چھوڑ دیتی۔ منارہ سے جو ملتی وہ پیل چھوڑ دیتی پھر پیل سے بس پکڑتے وہ تلہ گنگ چھوڑ دیتی پھر تلہ گنگ سے بس پکڑتے وہ ونده شاہ بلاول اُتار دیتی۔ بڑی خوش قسمتی ہوتی اگر ہم صبح کے نکلے ہوئے عصر تک وہاں پہنچ جاتے۔ یہ اس بات پر منحصر ہوتا تھا کہ آگے اگلی گاڑی ملتی جائے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ہم تلہ گنگ پہنچے تو میانوالی جانے والی آخری بس نکل چکی تھی۔ پھر وہاں مغرب ہوگئی، عشاء ہوگئی۔ پھر وہاں کوئی ٹرک سامان لے کر جا رہا ہے تو پھر ان کی منت سماجت کی، کرایہ بھی دیا اور اس پر لدی بوریوں پر بیٹھ کر کہیں سحری کے قریب وہاں پہنچے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ وہاں سے چل کر فجر کی نماز حضرت جیؒ کے ساتھ جا کر پڑھی۔ ایک مشکل Conveyance کی تھی دوسری مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس کرائے کے پیسے بھی نہیں ہوتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ زائد از ضرورت پانچ روپے ہو جاتے تو کہتے کہ بس آنے جانے کا خرچہ ہو گیا ہے اب چلتے ہیں۔ ان سب مشکلات کے باوجود اگر ایک ہفتہ گزر جاتا تو پھر دوسرا ہفتہ ہم سے برداشت نہیں ہوتا تھا۔ ضرور حضرتؒ کی خدمت میں جاتے۔ جس طرح کھانے کی بھوک لگتی ہے، جس طرح پانی کی پیاس لگتی ہے، ملاقات کا شوق اس سے زیادہ ہوتا تھا۔ کتنی دفعہ ہم جاتے، حضرتؒ سے ملاقات ہوتی، زیارت ہوتی، رات رہتے، کھانا کھاتے، صبح چائے پیتے یا صبح نماز پڑھ کر نکل پڑتے۔ کتنی ملاقاتیں ایسی ہیں جن میں سرے سے کوئی بات نہ ہوتی۔ لیکن جب واپس آتے تھے تو بالکل ایسے ہوتا تھا جیسے بندے کا

پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے، پیاس بجھی ہوئی ہوتی ہے، دل ٹھنڈا ہوتا ہے، اور چند دن بعد پھر پیاس بھڑک اُٹھتی تھی پھر دوڑ پڑتے تھے۔ تو میرے خیال میں اس کی ترجمانی حضرت سلطان باہوؒ نے اپنے الفاظ میں کی ہے اور اس مطلب، اس پیاس، اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔ لیکن میرے بھائی یہ سب چیزیں کرنے کی ہیں۔ کہنے سے کیا ہوتا ہے؟ خلوص بھی ہو، طلب صادق بھی ہو تو پھر یہ چیزیں نصیب ہوتی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشادِ عالی بخاری شریف میں بھی ہے،

هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ، یہ عجیب لوگ ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بدبخت نہیں رہتا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان لوگوں کی زیارت، ان لوگوں کی مجلس، ان لوگوں کی باتیں، ہدایت کا، نجات کا سبب بن جاتی ہیں۔ لیکن اگر کسی کو ایسے لوگوں سے محبت ہو، طلب ہو اور اللہ کی خاطر ہو تو بات بنتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ مکی زندگی میں تو کوئی منافق نہیں تھا کیونکہ اس وقت زندگی مشکلات سے عبارت تھی۔ جب مدینہ منورہ میں ریاستِ اسلامی وجود میں آئی اور حضور ﷺ کی ایک حیثیت امیر ریاست کی بھی تھی تو لوگ مفادات کی خاطر بھی بظاہر اسلام لے آئے۔ بظاہر مسلمان ہو گئے لیکن دل میں یہ تھا کہ کوئی دنیوی فائدہ بھی اُٹھالیں تو وہ منافق کہلائے۔

اہل اللہ کے ساتھ بھی، جب جماعتیں بنتی ہیں تو بڑے کھرے کھرے لوگ آتے ہیں۔ جب پھیل جاتی ہیں بڑی ہو جاتی ہیں تو پھر مفاد پرست بھی آجاتے ہیں۔ وہ تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کوئی امیر آدمی آیا ہوا ہے تو اس سے دوستی کر لی جائے۔ کوئی کسی محکمے کا افسر آیا ہوا ہے تو اس کی خدمت کی جائے۔ اُسے لوٹا بھر کر دے دو، اُسے بستر بچھا دو، اسے کھانا کھلا دو، دوستی ہوتا کہ اس سے کوئی فائدہ اُٹھائیں گے۔ تو ہر طرح کی مخلوق ہوتی ہے۔ جو جیسا کرتا ہے ویسا ہی پھل پاتا ہے۔ یہ کیفیات اللہ کریم سمجھائیں تو تب سمجھ آتی ہے، یہ حالت نصیب ہو تو سمجھ آتی ہے۔

محبت کو سمجھنا ہے تو ناصح خود محبت کر
کنارے سے کبھی اندازۂ طوفان نہیں ہوتا

کیفیات باتیں کرنے سے نہیں ہوتیں۔ وارد ہو جائیں تو سمجھ آجاتی ہیں۔ گزشتہ دنوں میں بیمار ہوا تو بڑے سخت سے ٹیکے ڈاکٹر نے لگائے، بہت زیادہ درد کرتے تھے۔ تو وہ مجھے حوصلہ دینے لگا کہ کوئی نہیں اسے آپ تھوڑی دیر ملیں گے تو یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے کہا ڈاکٹر صاحب بات یہ ہے کہ جو مجھے لگا رہے ہیں ایسے دو ٹیکے آپ کو لگاتے ہیں پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ ملنے سے کتنی دیر میں ٹھیک ہوتے ہیں اس سے درد کتنا ہوتا ہے۔ لگ مجھے رہے ہیں، میں برداشت کر رہا ہوں آپ مجھے بچوں کی طرح بہلائیں نہیں۔ مجھے پتا ہے جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے، ٹیکے آپ نے لگانے ہیں لگائیں۔ تو جو حالات خود پر بیتیں ان کی سمجھ آتی ہے۔ اللہ کریم ہر دل کو یہ درد دے اور اس کے ثمرات عطا فرمائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

(بقیہ: خواتین کا صفحہ: صفحہ نمبر 44)

حضرت عمارؓ کی در اقدس پر حاضری: حضرت عمارؓ کو اپنی والدہ کی بے بسی کی موت کا اس قدر رنج ہوا کہ روتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کی ''یارسول اللہ ﷺ! اب تو ظلم کی انتہا ہو گئی۔''

حضور ﷺ نے صبر کی تلقین فرمائی اور آلِ یاسر رضی اللہ عنہ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ حضرت عمارؓ تو بیٹے تھے لیکن خود حضور ﷺ کو اُن کی مرگِ بے کسی کا اس قدر دُکھ تھا کہ آپ ﷺ بھول نہ پائے۔ اور جب یوم بدر میں ابوجہل مارا گیا تو آپ ﷺ نے حضرت عمارؓ سے فرمایا، ''قَدْ قَتَلَ اللهُ قَاتِلَ اُمِّكَ'' اللہ نے تمہاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔''

یہ رمضان المبارک 2 ہجری کا واقعہ ہے اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شہادت ہجرت سے بھی کئی برس پہلے ہوئی تھی۔ اسی لیے تمام اہلِ سیر نے متفقہ طور پر انہیں اسلام کی شہید اول قرار دیا ہے۔

سیرۃُ النّبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اقتباس

ہجرت ۱ سنہ

علامہ شبلی نعمانیؒ

اس وقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب میں ہر طرف سے تلوار کی جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں، حافظِ عالم نے مسلمانوں کو دارالامانِ مدینہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا لیکن خود وجودِ اقدسؐ جو ان ستمگاروں کا حقیقی ہدف تھا اپنے لیے حکمِ خدا کا منتظر تھا۔ مکہ کے باہر اطراف میں جو صاحبِ اثر مسلمان ہو چکے تھے، وہ جاں نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے۔ قبیلہ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا۔ اس کے رئیس طفیل بن عمروؓ نے اپنا قلعہ پیش کیا کہ آپ ﷺ یہاں ہجرت کر آئیں۔ لیکن آپ ﷺ نے انکار[1] فرمایا۔ اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی۔ بعد کو اس نے کہا کہ وہ اپنے اہلِ قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا[2]۔ لیکن کارسازِ قضاو قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لیے مخصوص کیا تھا۔ چنانچہ قبلِ ہجرت آنحضرت ﷺ نے خواب دیکھا کہ دارالہجرۃ ایک پُر باغ و بہار مقام ہے۔ خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا۔ لیکن وہ شہر مدینہ نکلا[3]۔

ہجرت کی خدا کی طرف سے اجازت: نبوت کا تیرھواں سال شروع ہوا اور اکثر صحابہؓ مدینہ پہنچ چکے تو وحیٔ الٰہی کے مطابق آنحضرت ﷺ نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا۔ یہ داستان نہایت پُر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہؓ گو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انہی سے سُن کر کہا ہوگا اور ابتدائے واقعہ وہ خود بھی موجود تھیں۔

آپ ﷺ کے قتل کے مشورے: قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ میں جا کر طاقت پکڑتے جاتے ہیں اور وہاں اسلام پھیلتا جاتا ہے۔ اس بنا پر انہوں نے دارالندوہ میں جو دارالشوریٰ تھا اجلاسِ عام کیا۔ ہر قبیلہ کے روسائ یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری، ابنِ ہشام، زمعۃ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل بنیہ و نبہ امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ یہ شریک تھے۔ لوگوں نے مختلف رائیں پیش کیں۔ ایک نے کہا "محمد ﷺ کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان میں بند کر دیا جائے"۔ دوسرے نے کہا "جلا وطن کر دینا کافی ہے"۔ ابوجہل نے کہا "ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلواروں سے اُن کا خاتمہ کر دے۔ اس صورت میں اُن کا خون تمام قبائل میں بٹ جائے گا اور آلِ ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکیں گے"۔ اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا اور جُھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ ﷺ کے آستانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لیے باہر ٹھہرے رہے کہ آنحضرت ﷺ نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی۔ تاہم آپ ﷺ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا آپ ﷺ ہی کے پاس لا کر رکھتا تھا۔ اس وقت بھی آپ ﷺ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں۔ آپ ﷺ کو قریش کے

۱۔ صحیح مسلم جلد اوّل: باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لایکفر۔ ۲۔ مستدرک ج دوم و زرقانی علی المواہب ج اوّل۔
۳۔ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ۔

ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی۔ اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔ تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو۔ صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا"۔ یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ ﷺ کو قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور آج رسول اللہ ﷺ کا بسترِ خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتحِ خیبر کے لیے قتل گاہ فرشِ گل تھا۔

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ دو پہر کے وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پر گئے۔ دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی۔ اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے۔ سب کو ہٹا دو"۔ بولے کہ "یہاں آپ ﷺ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپ ﷺ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے۔" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت بے تابی سے کہا "میرا باپ آپ ﷺ پر فدا ہو کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہو گا؟" ارشاد ہوا "ہاں" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں۔ عرض کی کہ ان میں سے ایک پسند فرمائیں۔ محسنِ عالم ﷺ کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔ ارشاد ہوا۔ اچھا مگر بہ قیمت۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجبوراً قبول کیا۔ حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں۔ ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا۔ دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا۔ نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا۔ یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔[1]

کفار کا محاصرہ اور ناکامی: کفار نے جب آپ ﷺ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے ان کو بے خبر کر دیا۔ آنحضرت ﷺ ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے۔ کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دُنیا سے زیادہ عزیز ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے سے قرار داد ہو چکی تھی۔ دونوں صاحب پہلے جبلِ ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے۔ یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہِ خلائق[2] ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہؓ جو نوخیز نوجوان تھے، شب کو غار میں ساتھ سوتے۔ صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورے کر رہے ہیں۔ جو کچھ خبر ملتی شام کو آنحضرت ﷺ سے عرض کرتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا اور آپ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے۔ تین دن تک صرف یہ غذا تھی۔ لیکن ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں۔ اسی طرح تین راتیں غار میں گزریں۔[3]

کفار کا تعاقب: صبح کو قریش کی آنکھیں کھلیں تو پلنگ پر آنحضرت ﷺ کے بجائے حضرت علیؓ تھے۔ ظالموں نے آپؓ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا اور چھوڑ[4] دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی تلاش میں نکلے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار کے دہانہ تک آ گئے آہٹ پا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ غمزدہ ہوئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ "اب دشمن اس قدر قریب آ گئے کہ اگر اپنے قدم پر ان کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لیں گے"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ (التوبہ:40)

بعض روایتوں کی تنقید: مشہور ہے جب کفار غار کے قریب آ گئے تو

۱۔ صحیح بخاری باب الہجرۃ ص۔ ۲۔ یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب ہے۔ پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے۔ سمندر یہاں سے دکھائی دیتا ہے، دیکھو زرقانی (ج اول) ص

۳۔ یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے۔ باب مناقب المہاجرین میں بعض مزید حالات ہیں وہ بھی ہم نے شامل کر لیے ہیں۔

۴۔ تاریخ طبری (ج سوم) ص۔

خدا نے حکم دیا۔ دفعتاً ببول کا درخت اُگا اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت ﷺ کو چھپا لیا۔ ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بنا کر انڈے دیئے۔ حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ اس روایت کو مواہب لدینہ میں تفصیل سے نقل کیا ہے اور زرقانی نے بزار وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں۔ لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں۔ اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے۔ اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے ''لاشئ'' یعنی ہیچ ہے۔ امام بخاری نے کہا ہے کہ ''وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے۔'' اس روایت کا ایک اور راوی ابومصعب مکی ہے۔ وہ مجہول الحال ہے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے میزانِ الاعتدال میں عون بن عمرو کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے[1]۔

مدینہ کی طرف کوچ: بہر حال چوتھے دن آپ ﷺ غار سے نکلے۔ عبداللہ بن اریقط ایک کافر، جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اُجرت پر مقرر کر لیا گیا۔ وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ ایک رات دن برابر چلے گئے۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہوگئی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ سایہ میں آرام فرمالیں۔ چاروں طرف نظر ڈالی۔ ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا۔ سواری سے اُتر کر زمین جھاڑی۔ پھر اپنی چادر بچھا دی۔ آنحضرت ﷺ نے آرام فرمایا تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں۔ پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا۔ اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد وغبار سے صاف کردے۔ پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا۔ برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے۔ دودھ لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے پی کر فرمایا کہ ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟ آفتاب اب ڈھل چکا تھا اس لیے آپ ﷺ وہاں سے روانہ ہوئے[2]۔

سراقہ بن جعشم کا واقعہ: قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد ﷺ یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو ایک خون بہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا[3]۔ سراقہ بن جعشم نے سنا تو انعام کی اُمید میں نکلا۔ عین اس حالت میں کہ آپ ﷺ روانہ ہو رہے تھے، اس نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آ گیا۔ لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب میں ''نہیں'' نکلا۔ لیکن سو اونٹوں کا گراں بہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا اور آگے بڑھا۔ اب کی بار گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ گھوڑے سے اُتر پڑا اور پھر فال دیکھی۔ اب بھی وہی جواب تھا۔ لیکن مکرر تجربہ نے اس کی ہمت پست کر دی اور یقین ہوگیا کہ یہ کچھ اور آثار ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے پاس آ کر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھ کو امن کی تحریر لکھ دیجیے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام عامر بن فہیرہؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر فرمانِ امن لکھ دیا[4]۔

حُسنِ اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ انہوں نے آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں چند بیش قیمت کپڑے پیش کیے جو اس بے سروسامانی میں غنیمت تھے۔

ابن سعد نے طبقات میں اس مقدس سفر کی تمام منزلیں گنائی ہیں۔ اگرچہ عرب کے نقشوں میں آج ان کا نشان نہیں ملتا تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہیں۔ خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجۃ، مرجح، حدائد، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ

1۔ سیرت النبی ج سوم میں بہ ضمن ''مشہور عام دلائل و معجزات کی روائتی حیثیت'' ان روایات پر مفصل تنقید کی گئی ہے۔ س۔

2۔ یہ پوری تفصیل حرف بہ حرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے۔ ہم نے تمام جزئیات اس لیے نقل کیں کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

3۔ سراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے انہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا۔

4۔ صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی ﷺ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی میں بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

میں آتا ہے۔ یہاں آپ ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم، عثمانیہ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبہ، عقیق، جثجاثہ۔

اہلِ مدینہ کا جوشِ مسرت اور سامانِ استقبال: تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہلے پہنچ چکی تھی۔ تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا۔ معصوم بچے فخر اور جوش میں کہتے پھرتے تھے کہ ''پیغمبرؐ آ رہے ہیں''۔ لوگ ہر روز تڑکے سے نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے۔ ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ ''اہلِ عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آ گیا''۔ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اُٹھا۔ انصار ہتھیار سجا سجا کر بے تابانہ گھروں سے نکل آئے۔

قبا میں نزول: مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے اس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں۔ یہاں انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے۔ ان میں سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے۔ آنحضرت ﷺ یہاں پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت میں اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ یہ فخر ان کی قسمت میں تھا کہ میزبان دوعالم ﷺ نے انہی کی مہمانی قبول کی۔ انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے [1]۔

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت ﷺ سے پہلے مدینہ میں آ چکے تھے وہ بھی انہی کے گھر میں اُترتے تھے۔ چنانچہ حضرات ابوعبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبداللہ بن مخزمہؓ، وہب بن سعدؓ، معمر بن ابی سرحؓ، عمیر بن عوفؓ اب تک انہی کے مہمان [2] تھے۔

جناب امیرؓ آنحضرت ﷺ کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے، وہ بھی آ گئے اور یہیں ٹھہرے۔ تمام مؤرخین اور اربابِ سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں صرف چار دن قیام فرمایا۔ لیکن صحیح بخاری میں چودہ دن ہے اور یہی قرین قیاس ہے۔

قبا میں مسجد کی تعمیر: یہاں آپ ﷺ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا۔ حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ یہیں دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی۔ یہی مسجد ہے جس کی شان میں قرآن مجید میں ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

ترجمہ: وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہو، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور خدا صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ [سورۃ التوبہ:108]

مسجد کی تعمیر میں مزدوروں کے ساتھ آپ ﷺ خود بھی کام کرتے تھے۔ بھاری بھاری پتھروں کے اُٹھاتے وقت جسمِ مبارک خم ہو جاتا تھا۔ عقیدت مند آتے اور عرض کرتے ''ہمارے ماں باپ آپ ﷺ پر فِدا ہوں آپ ﷺ چھوڑ دیں ہم اُٹھا لیں گے''۔ آپ ﷺ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن پھر اسی وزن کا دوسرا پتھر اُٹھا لیتے [1]۔

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ شاعر تھے۔ وہ بھی مزدوروں کے ساتھ شریک تھے اور جس طرح مزدور کام کرتے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہیں، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے:

افلح من يعالج المساجدا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے
ويقرء القرآن قائما وقاعدا	اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے
ولا يبيت الليل عنه راقدا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

آنحضرت ﷺ بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے [3]۔

قبا میں داخلہ کی تاریخ: قبا میں آپ ﷺ کا داخلہ اسلام کے دورِ خاص کی ابتدا ہے۔ اس لیے مؤرخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے

ا۔ صحیح بخاری، طبقات ابن سعد سیرۃ نبویؐ۔
۲۔ ابن سعد: تذکرہ کلثوم بن ہدمؓ۔
۳۔ وفاء الوفاء بحوالہ طبرانی کبیر (ج اول)۔
۴۔ وفاء الوفاء بحوالہ ابن شبہ ج اول۔

ساتھ محفوظ رکھا ہے۔ اکثر مؤرخین کا اتفاق ہے کہ یہ آٹھ ربیع الاول ۱۳ نبوی (مطابق ۲۰، ستمبر ۶۲۲ء) تھی۔ (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ اور رومی ماہ ایلول ۹۲۳ اسکندری کی دسویں تاریخ تھی ۱۔ مؤرخ یعقوبی نے ہیئت دانوں سے یہ زائچہ نقل کیا ہے:۔

آفتاب	برج سرطان میں	۳۲ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد میں	۲ درجہ
مشتری	برج حوت میں	۶ درجہ
زہرہ	برج اسد میں	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد میں	۱۵ درجہ

مدینہ میں داخلہ: چودہ دن کے بعد (جمعہ ۲ کو) آپ ﷺ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے۔ (راہ میں بنی سالم کے محلہ میں نماز کا وقت آ گیا۔ جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی۔ نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ یہ آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی جمعہ اور سب سے پہلا خطبہ نماز تھا۔ لوگوں کو جب تشریف آوری کی خبر ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیش قدمی کے لیے دوڑے۔) آپ ﷺ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سجا سجا کر آئے ۳۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ جاں نثاروں کی صفیں تھیں۔ راہ میں انصار کے خاندان آتے تھے۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا "حضورؐ! یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے۔" آپ ﷺ منت کا اظہار فرماتے اور دعائے خیر دیتے۔ شہر قریب آ گیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونیں چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں:

۴ طلع البدر علینا	چاند نکل آیا ہے
من ثنیات الوداع	کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
ما دعا للہ داع	جب تک دُعا مانگنے والے دُعا مانگیں

معصوم لڑکیاں دَف بجا بجا کر گاتی تھیں:

نحن جوار من بنی النجار	ہم خاندانِ نجار کی لڑکیاں ہیں
یا حبذا محمدًا من جار	محمد ﷺ کیا اچھا ہمسایہ ہے

آپ ﷺ نے ان لڑکیوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" بولیں "ہاں"۔ فرمایا کہ "میں بھی تم کو چاہتا ہوں۔"

حضرت ابوایوبؓ کے گھر اُترنا: جہاں اب مسجد نبویؐ ہے اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا۔ کوکبہ نبویؐ یہاں پہنچا۔ سخت کشمکش تھی کہ آپ ﷺ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوب انصاریؓ ۵ کے حصہ میں آئی۔

حضرت ایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپ ﷺ نے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوبؓ دو وقت آپ ﷺ کی خدمت میں کھانا بھیجتے اور آپ ﷺ جو چھوڑ دیتے حضرت ابوایوبؓ اور اُن کی زوجہ کے حصے میں آتا۔ کھانے میں جہاں آنحضرت ﷺ کی انگلیوں کا نشان پڑتا ہوتا حضرت ابوایوبؓ بھی تبرکاً وہیں انگلیاں ڈالتے۔ آنحضرت ﷺ نے سات ماہ تک یہیں قیام فرمایا۔ اس اثنا میں جب مسجد نبویؐ اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپ ﷺ نے نقل مکان فرمایا۔

۱۔ عینی شرح بخاری جلد دوم (عینی مطبوعہ قسطنطنیہ میں مطبع کی غلطی سے ۹۳۳ سہ سمایہ لکھا گیا ہے۔ اس کو تسمایہ پڑھنا چاہیے) رومی ماہ ایلول کی دسویں کے بجائے جدید طریقہ حساب سے بیسویں ثابت ہوتی ہے۔ خوارزمی نے جمعرات کا دن بتاتا ہے۔ لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے۔

۲۔ خوارزمی کے حساب کے مطابق روزِ ورود (جمعرات) نہ لیا جائے۔ تو چودہ دن کے بعد جمعہ ہوگا۔

۳۔ یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد، ہجرت وغیرہ میں مذکور ہے۔

۴۔ وفاء الوفا جلد اول۔ پہلے اشعار کے متعلق زرقانی میں نہایت محققانہ، محدثانہ بحث کی ہے اور ابن قیمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ کی طرف۔ مواہب میں لکھا ہے یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کیے ہیں۔ بخاری میں بھی یہ اشعار منقول ہیں۔ مگر غزوہ تبوک کے موقع پر لیکن ان دونوں روایتوں میں کچھ تناقض نہیں ممکن ہے دونوں موقعوں پر یہ اشعار پڑھے گئے ہیں۔

۵۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا نام خالد تھا۔ اصابہ فی احوال الصحابہؓ میں اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور وہیں یہ واقعہ لکھا ہے۔ اکثر سیر اور تواریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر میں اُتارنے کی درخواست کرتا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میری ناقہ کو چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔" چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گئی۔ اس لیے آپ ﷺ نے انہی کے گھر پر قیام فرمایا لیکن صحیح مسلم باب الہجرۃ میں ہے کہ جب لوگوں میں آپ ﷺ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "میں بنو نجار کے ہاں اُتروں گا جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں"۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے عمداً ایسا کیا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی خاندان سے تھے۔ امام بخاری نے تاریخ صغیر میں تصریح کی ہے کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر اُترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔

ذکرِ قلبی

مولانا خالد محمود

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ O (النساء:103)

پس جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی۔

(ا) ذکر (اللہ اللہ کرنا) نماز کے علاوہ ہے (۲) ذکر سے مراد ذکرِ قلبی ہے۔

☆ پہلی بات کے متعلق اقوال مفسرین کرام ملاحظہ ہوں۔

شیخنا المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب مدظلہم لکھتے ہیں۔ ''نماز تو ادا کی ختم ہوگئی مگر اللہ کا ذکر تو ختم نہیں ہوتا۔ اللہ کا ذکر کرو اس شدت سے اس کثرت سے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے کوئی حال اس کی یاد، اس کے نام، اس کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ اس کو، اس کے نام کو، اس کی تجلیات کو دل میں بسالو، سمولو، اپنے اندر جذب کرلو۔ پھر دیکھو کہ کس قدر سکون ملتا ہے، کتنا اطمینان نصیب ہوتا ہے، ذرا پھر نماز پڑھ کے دیکھو، کچھ حالت بدل گئی یا نہیں۔ یہاں جو لوگ نماز کو ذکر کا بدل قرار دیتے ہیں، انہیں سوچنا چاہیے کہ بیک وقت نہ صرف نماز بلکہ صلوٰۃ الخوف کا بیان ہو رہا ہے، جو حالت جہاد میں ادا کی جاتی ہے، پھر بھی حکم ہے نماز ختم ہوگئی، ذکر الٰہی ختم نہیں ہوتا۔ لڑ رہے ہو حملہ کر رہے ہو، گر رہے ہو یا لیٹ گئے ہو آرام کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی کہ زخمی ہو کر گر گئے ہو، روح پرواز کے لیے پَر تول رہی ہے مگر ذکر الٰہی جاری رہے، پتہ نہیں جو حضرات لوگوں کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں وہ ان آیات سے کیسے گزر جاتے ہیں۔ (اسرار التنزیل ج2، ص107)

حافظ عماد الدین ابو الفداء ابن کثیر صاحب'' لکھتے ہیں۔ ''اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو''۔ (ابن کثیر ج1 ص758)

حضرت شاہ عبد القادر صاحب'' لکھتے ہیں۔ ''یعنی خوف کے وقت اگر نماز میں کوتاہی ہو تو بعد نماز اور طرح اللہ کو یاد کرو۔ ایک نماز میں یہ قید ہے کہ وقت پر ہی چاہیے اور یاد اللہ کی ہر حال میں درست ہے۔ (موضح القرآن)

حضرت مولانا عبد الماجد صاحب'' دریا بادی لکھتے ہیں۔ ''تخفیف نماز میں تو ہوگئی باقی ذکر الٰہی میں کوئی تخفیف نہیں''۔ (تفسیر ماجدی ص213)

حضرت صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں۔ ''یعنی ذکر الٰہی کی ہر حالت میں مداومت کرو اور کسی حال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہ رہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر فرض کی ایک حد مقرر فرمائی، سوائے ذکر کے۔ اس کی کوئی حد نہ رکھی، فرمایا ذکر کرو کھڑے بیٹھے کروٹوں پر لیٹے۔ رات میں ہو یا دن میں۔ خشکی میں ہو یا تری میں، سفر میں اور حضر میں، غنا میں اور فقر میں، تندرستی میں اور بیماری میں پوشیدہ اور ظاہر۔ (خزائن العرفان ص173)

حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری آیت بالا کا ترجمہ لکھتے ہیں۔ ''پھر جب نماز پڑھ چکو تو (ہر حال میں) کھڑے، بیٹھے، کروٹوں پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کرو اور کسی حالت میں اس کو نہ بھولو''

(ثنائی ترجمہ والا قرآن مجید عکسی ص113)

حضرت مولانا محمد عبدہ الفلاح لکھتے ہیں۔ ''یعنی ہر حال میں

اللہ کی یاد میں مصروف رہو۔ یہاں تک کہ عین اس وقت بھی جب معرکہ قتال گرم ہو، جمہور مفسرین نے اس کے یہی معنی کیے ہیں، بعض مفسرین نے حالت جنگ میں نماز کا طریقہ بتایا ہے لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے۔ (اشرف الحواشی ص115)

حضرت مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں۔ ''مراد یہی خوف کی نماز ہے اس میں چونکہ تخفیف کر دی گئی ہے۔ اس لیے اس کی تلافی کے لیے کہا جا رہا ہے۔ کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ (قرآن کریم مع اُردو ترجمہ وتفسیر ص251)

☆ دوسری بات (ذکر قلبی) کے متعلق اقوالِ مفسرین ملاحظہ ہیں۔

شیخنا المکرم حضرت مولانا محمد اکرم اعوان صاحب برکاتہم فرماتے ہیں۔ ''صلوٰۃ مکمل ہو جائے لیکن ذکر ختم نہ ہو۔ اللہ کا ذکر ہر حال میں ہوتا رہے، کھڑے ہو تو ذکر ہوتا رہے، بیٹھ جائے یا لیٹ جائے ذکر ہر حال میں ہوتا رہے، کسی حال میں بھی ذکر الٰہی میں انقطاع نہیں آنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت سوائے ذکر قلبی کے ممکن نہیں، قرآن حکیم کے اس مطالبے کو پورا کرنے کے لیے ذکر لسانی ساتھ نہیں دے سکتا۔ ایک حد کے بعد ذکر لسانی منقطع کرنا پڑتا ہے۔ ذکر قلبی کے سوا کوئی صورت ایسی نہیں ہے کہ یہ حکم بجالا یا جائے، لہٰذا ذکر قلبی نصِ قرآنی سے ثابت ہے، ہر بندہ مومن مرد و عورت پر ہر حال میں فرض ہے، ضروری ہے اس سے چھٹکارا نہیں۔''

جب صلوٰۃ ادا کر چکو یعنی حالت جنگ میں قصر دو رکعت پڑھے اور صلوٰۃ ادا ہو گئی تو فرمایا اب میدان جنگ میں جاؤ اور لڑتے رہو، لیکن ذکر میں غفلت نہ آئے۔ کھڑے ہو، بیٹھے ہو، لیٹے ہو، سوار ہو، پیدل ہو، آرام کرنے کے لیے لیٹے ہو یا زخمی ہو کر گر گئے ہو، کسی حال میں ذکر سے غفلت نہ ہونے پائے گویا اپنی عطا کی طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ میں عطا کر رہا ہوں، اس سے کوئی پل خالی نہیں ہے، میری طرف سے تم پر ہر لحظہ عنایات کا سمندر انڈیلا جا رہا ہے۔ اس لیے میرے ساتھ اپنا رشتہ شکر استوار رکھو۔ تمہارا دل میری یاد سے کبھی غافل نہ ہو اور تمہارے رُوئیں رُوئیں سے میرا نام نکل رہا ہو۔''

(اکرم التفاسیر ج5 ص196-197)

حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ لکھتے ہیں۔ ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کرتے تھے۔ (رواہ ابوداؤد) ظاہر یہ ہے کہ آیت اور حدیث میں دوامِ ذکر سے ذکر قلبی مراد ہے۔ زبان سے ہر وقت ذکر تو ممکن ہی نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری اردو ج3 ص257)

حضرت مولانا عبدالماجد دریا بادی لکھتے ہیں۔ ''عین قتال کے وقت بھی ذکر الٰہی دل سے تو جاری رہ سکتا ہے۔'' تفسیر ماجدی ص213)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی لکھتے ہیں۔ ''ذکر قلبی بھی ہے اور ذکر لسانی بھی اور ہر عبادت کی روح ذکر الٰہی ہے۔''

(انوار البیان ج1 ص691)

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں۔ ''یعنی نماز کے لیے تو مخصوص ہیئت کی رعایت ضروری ہے لیکن اللہ کا ذکر دل سے ہو یا زبان سے، اس کے لیے کوئی ہیئت و کیفیت مقرر نہیں کھڑے ہو، بیٹھے ہو، لیٹے ہو، جس حال میں ہو، اللہ کے ذکر میں مشغول رہو۔

(آسان ترجمہ وتشریح ص232 ج1)

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ لکھتے ہیں۔ صحیح حدیث میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ اللهُ فِيْ كُلِّ اَحْيَانِهٖ یعنی حضور نبی کریم ﷺ ہر وقت ذکر الٰہی میں مصروف رہتے تھے، آپ ﷺ کا کوئی وقت ذکر سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ (ابوداؤد۔ ج ا ص4)

امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ قلب یا روح کے ساتھ ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور وفکر کرے......فرماتے ہیں قلبی ذکر کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنے موجود لطائف باطنیہ کو بیدار کرے۔ انسانی جسم میں اُنیس لطائف

باطنیہ یا مرکز ہیں، جن کا تعلق اُس کے قلب اور روح کے ساتھ ہوتا ہے۔

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''جب تم لوگ صلوٰۃ الخوف ادا کر چکو تو پھر حسب عادت اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ اور ذکر الٰہی پر مداومت کرو، خواہ کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے ہو، ہر حالت میں خدا کو یاد کرتے رہو۔'' (تسہیل القرآن ج اص 805)

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد لکھتے ہیں۔ ''پھر جب تم نماز (خوف) پوری کر چکو، تو چاہیے کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو (کہ اس کی یاد صرف نماز کی حالت ہی پر موقوف نہیں، ہر حالت میں تمہارے اندر بسی ہونی چاہیے)''

(ترجمان القرآن ج اص 388)

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''نمازِ خوف سے فراغت کے بعد ہر وقت اور ہر حالت میں کھڑے ہو یا بیٹھے یا لیٹے اللہ کو یاد کرو۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ صرف وہ شخص جس کے عقل و حواس کسی وجہ سے مغلوب ہو جائیں البتہ معذور ہے ورنہ کوئی شخص اللہ کی یاد نہ کرنے میں معذور نہیں''

(تفسیر عثمانی ص 124)

حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''قصر کرنے سے جس قدر ذکر الٰہی میں کمی واقع ہوئی ہے اس کو بعد میں پورا کر لو، اُٹھتے، بیٹھتے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔'' (قرآن عزیز ص 150)

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ کی یاد میں لگ جاؤ، کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔ نماز خود ذکر ہے اور ذکر ہی کے لیے مشروع ہوئی ہے جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (کہ نماز کو میری یاد کے لیے قائم کرو)'' (انوار البیان ج اص 691)

حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی ؒ لکھتے ہیں۔ ''مفسرین کرام اس جملے کی یوں تفسیر بیان کرتے ہیں کہ جب نماز پوری کر چکو تو ذَاوِمُوْا عَلَی الذِّکۡرِ تو اللہ کی یاد پر مداومت اختیار کرو۔''

(معالم العرفان ج 5 ص 484)

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحبؒ فرماتے ہیں۔ ''ویسے تو اللہ کا ذکر ہر وقت مقبول اور محمود ہے لیکن نمازوں کے بعد اس کا بہت بڑا درجہ ہے۔'' (ذخیرۃ الجنان ج 4 ص 227)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ''یعنی سفر یا خوف کی حالت میں تو قصر ہو سکتا ہے لیکن اللہ کا ذکر ہر حالت میں جاری رہنا چاہیے کیونکہ اس کا نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے نہ کوئی خاص ہیئت۔ وہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔''

(آسان ترجمہ القرآن ص 216)

جب انسان محنت کرتا ہے تو اس کے لطائف بیدار ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

بزرگانِ دین یہ بھی فرماتے ہیں کہ انسان کا کوئی سانس ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہونا چاہیے، نفی اثبات کا ذکر کرے لا الٰہ الا اللہ کے ذریعے کرے یا صرف ذکر جل جلالہٗ اللہ کرے۔ آدھا ذکر سانس لیتے وقت ہو اور آدھا سانس ختم ہوتے وقت۔ اس ذکر کے لیے کوئی پابندی نہیں، ہر حالت میں روا ہے جو لوگ اس کی مشق کر لیتے ہیں، وہ نیند کی حالت میں بھی اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں، سوئے ہوئے ہیں مگر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر جاری ہے، نقشبندی حضرات کسی سانس کو ضائع نہیں ہونے دیتے۔ چلتے وقت ان کا کوئی قدم بھی ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر قدم پر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اللہ کا ذکر ایک ایسی عبادت ہے جس کی کوئی حد (limit) نہیں قرآن پاک میں موجود ہے۔ وَاذۡکُرُوا اللّٰہَ کَثِیۡرًا لَّعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ اللہ تعالیٰ کو خوب یاد کرو تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔'' (معالم العرفان ج 5 ص 484)

(بقیہ: صفحہ نمبر 44)

خوشبو خوشبو
باتیں ان کی

ارشادات حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحبؒ

شریعت: نام ہے کُل اور مجموعۂ احکام کا۔ سارے کے سارے احکام (مجموعۂ احکام) جو ہیں اُن سب کو شریعت کہا جاتا ہے، خواہ ان احکام کا تعلق اُمورِ باطنہ سے ہو یا اُمورِ ظاہرہ کے ساتھ۔

علماء متقدمین اور تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ ''شریعت'' لفظ ''فقہ'' کے مترادف ہے چونکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی تعریف ہی یہ کی ہے: معرفة النفس مالها وما عليها (نفس کی پہچان! جو اُس کے نفع کی چیز ہے یا نقصان کی چیز ہے) اس لیے مجموعہ احکام ظاہری اور باطنیہ اعمال بھی سارے کے سارے اس میں آ گئے۔ متاخرین علماء نے اس کی تقسیم یوں کی ہے، احکام ظاہری پر انہوں نے فقہ کا اطلاق کر دیا اور جن اُمور کا تعلق باطن سے ہے اُن پر تصوّف کا اطلاق کر دیا۔ اسلام سے باہر تو کوئی چیز نہیں، یہی شریعت ہے یہی حقیقت ہے، یہی سب کچھ ہے اسی کو شریعت کہتے ہیں۔

طریقت: اُن وسائل، ذرائع اور طرق کا نام ہے جن کے ذریعہ سے احکامِ ظاہری یا احکامِ باطنی حاصل کیے جائیں۔ مثلاً درس تدریس، پڑھنا پڑھانا، تصنیف کرنا، لکھنا، تبلیغ کرنا، کسی سے پوچھ لینا ـــــ یہ رستے اور ذرائع ہیں شرعی احکام تک پہنچنے کے، انہیں طریقت کہا جاتا ہے (طریقت کہتے ہی رستے کو ہیں یعنی اس راہ پر چل کر کسی چیز کو حاصل کرنا۔ انسان ہمیشہ کسی مقصد کے لیے حرکت کرتا ہے) اسی طرح باطنی اُمور یعنی تصوف میں لطائف کرنا، مراقبات کرنا وغیرہ۔ اصل تصوف ہے رضائے الٰہی کا نام، اللہ کی رضا حاصل کی جائے، اُس کی رضا کس امر میں ہے، اور وہ ناراض کس بات میں ہے (اسے حاصل کیا جائے) تصوف اس چیز کو کہتے ہیں یہ نہیں کہ کوئی چیزیں دیکھ لیں، کشف ہو گیا، الہام ہو گیا۔ تو یہ سمجھنے لگے کہ میں صوفی بن گیا، بڑی چیز بن گیا، نہیں بلکہ تصوف کی حقیقت یہ ہے رضائے الٰہی حاصل کی جائے، یہ دیکھنا کہ اللہ کی محبت کس طرح حاصل ہو اللہ کی رضا کس چیز میں ہے ـــــ اللہ کی رضا اس کی عبادت اور حضرت محمد ﷺ کے اتباع میں ہے قال تعالیٰ: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: 31) ''اگر آپ اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو اور اللہ کو محبوب بنانا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو''۔ یہ ہے طریقت ہے۔

اب ذرا غور کریں کہ حقیقت کس کو کہتے ہیں۔ ایک بات یہ ہے کہ کسی چیز کی صورت حاصل ہو جائے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس کی حقیقت واضح ہو جائے۔ مثال کے طور پر صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ نماز کی صورت جو ہے وہ عام مسلمانوں کو حاصل ہے حقیقت تک رسائی کم ہے۔ ایمان کی صورت حاصل ہے، حقیقت حاصل نہیں ہے جس سے آدمی مسلمان بن جاتا ہے مومن بن جاتا ہے دین دار بن جاتا ہے اب ذرا صورت اور حقیقت کا مفہوم سمجھ لیں۔

''علم کہتے ہیں'' حصول صورة الشئی فی الذهن (یعنی صورت چیز کی ذہن میں آ جائے)، یا قبول النفس تلك الصورة (یا نفس اس صورت کو قبول کر لے) اسے علم کہتے ہیں کہ صورت کا حاصل ہو جانا۔ ایمان کی صورت آ گئی، روزے کی صورت آ گئی، کلمے کی صورت آ گئی۔ حقیقت کیا ہے؟ ـــــ مثال کے طور پر

کوئی شخص کہتا ہے کہ ڈی، سی فلاں مقام پر آ گیا ہے ہم نے اس کی بات تسلیم کر لی، یہ ایمان تقلیدی ہے کہ اس کی بات سُن کر قبول کر لی۔ عوام کا ایمان جو ہے تقلیدی ہے، تقلیدی ایمان تشکیک مشکک کے ساتھ زائل ہو جاتا ہے، کسی نے شک و وہم میں ڈالا تو اس کو چھوڑ بیٹھا۔

عوام کی گمراہی کا سبب کیا ہے، جیسی صحبت ملی ویسے ہو گئے، کسی بدعتی گمراہ سے ملے اُسی سے متاثر ہو گئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ان لوگوں کی حقیقت تک رسائی نہیں ہوئی۔ اس لیے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اطمینانِ قلب پورا نہیں ہوتا۔ خبر دینے والے نے خبر دی دوسرے نے کہا غلط کہتا ہے جھوٹ بول رہا ہے، شک پیدا ہوا، یقین رخصت قصہ ختم، یہ ہے تقلیدی ایمان کی مثال ____ دوسرا استدلالی جو دلائل سے ثابت ہو مثلاً ایک آدمی اُس مقام پر گیا اُس نے دیکھا کہ موٹریں کھڑی ہیں، پولیس موجود ہے، لوگ جمع ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی آدمی آیا ہے کیونکہ دلائل موجود ہیں۔ یہ ایمانی استدلالی ہے ____ کشفی ایمان یہ ہے کہ اندر چلا جائے اور بچشمِ خود دیکھ آئے کہ وہ آدمی کرسی پر بیٹھا ہے وغیرہ وغیرہ ____ اندر جا کر خود دیکھ آئے۔ تم جھوٹ بولتے ہو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔

گمراہی کا سبب یہ ہے ک مسلمان حقیقت تک نہیں پہنچتا۔ اگر حقیقت تک رسائی ہو جاتی تو پھر کوئی طاقت اسے گمراہ نہ کر سکتی (افسوس تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں بھی نہیں جاتے جہاں سے یہ گوہر مقصود ہاتھ آتا ہے، یقین و ایمان کی دولت لازوال ملتی ہے) اسے کہتے ہیں حقیقت یعنی (انتہا تک پہنچنا)۔

معرفت: معرفت سے مراد ہے پہچان لینا۔ بعض نے اس کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ رستے میں جو کچھ ہے اس کے اسباب پہچانے گئے ہیں یہ معرفت ہے ____ مگر میری تحقیق یہ ہے کہ جس کو جس وقت وہ چیز پوری حاصل ہو جائے معرفت حاصل ہو گئی ____ شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت انتہا تک پہنچنا اسی کو تصوف کہتے ہیں۔ جسے یقین اور اطمینان ہوتا ہے وہ اس تک پہنچتا ہے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان

سن 1978ء میں مردان سے واپس آتے ہوئے بریگیڈیر علی احمد (مرحوم) کو دیا۔

یرقان (جگر کی اصلاح کے لیئے)

پرہیز:۔ کوئی چیز جسمیں FAT یعنی چربی یا چکنائی وغیرہ ہو نہ استعمال کی جائے۔ انڈہ نہیں کھانا۔ دودھ نہیں پینا۔

ہدایت:۔ سبزی۔ توری۔ چھوٹا گوشت بغیر چربی استعمال ہو سکتا ہے۔ آٹا میں بیسن ملا کر استعمال کیا جائے۔

نسخہ:۔

تخم کاسنی	(3) چھٹانک
تخم ریحان	(1) تولہ
تخم کشوث	(1) تولہ
ریوند چینی	(2) تولہ

طریقہ:۔ ان سب اجزاء کو صاف کر کے ہاون دستے میں کوٹ لیں۔ (صرف بیج کو توڑنا مقصود ہے، باریک نہیں پیسنا ہے)

عصر کے وقت بڑے کولے میں پانی ڈالیں اسکو مغرب تک پڑا رہنے دیں۔ مغرب سے عشاء تک پکاتے رہیں اور نصف رہ جائے گا۔ صبح تک پڑا رہنے دیں اور صبح ململ کے کپڑے سے چھان لیں اور اس میں ڈیڑھ کلو چینی ڈال کر گرم کرنا شروع کر دیں اور شیرہ بنا لیں۔ پھر ایک ایک گلاس نہار منہ۔ صبح اور عصر کے ٹائم لیں۔

شفاء من اللہ۔ اللہ شافی۔ اللہ کافی!

خواتین کا صفحہ

حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا

اُم فاران، راولپنڈی

نام ونسب: حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آباؤ اجداد میں صرف اُن کے والد کا نام معلوم ہے آپؓ کے والد کا نام ''خباط'' تھا۔

کنیز: حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا وطن کون سا ہے یا وہ کس طرح مکہ پہنچیں اس پہ کتبِ سیرت خاموش ہیں صرف اس قدر معلوم ہے کہ آپؓ مکہ کے ایک رئیس ابوحذیفہ بن المغیرہ کی کنیز تھیں۔

نکاح: یہ بعثت سے تقریباً پینتالیس برس قبل کا ذکر ہے اسی دور میں ایک قحطانی نسل شخص یاسرؓ بن عامر اپنے ایک گم شدہ بھائی کی تلاش کرتے ہوئے مکہ وارد ہوئے اور پھر یہیں پہ مستقل اقامت اختیار کر لی۔ انہوں نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے آقا ابوحذیفہ بن المغیرہ کا سہارا لیا اور اُن کے حلیف بن گئے۔ اُس نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی شادی یاسرؓ بن عامر سے کر دی۔

قبولِ اسلام: قرین از قیاس یہی ہے کہ جب حضورِ اکرم ﷺ بچپن اور جوانی کی منزلیں طے کر رہے تھے تو یہ سارا دور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے گزرا اور وہ آپ ﷺ کی اعلیٰ سیرت اور بلند کردار سے متاثر تھے۔ کیونکہ جب آپ ﷺ نے بعثت کے بعد دعوتِ حق کا آغاز فرمایا تو اس مختصر سے خاندان نے کسی تامل کے بغیر اسلام قبول کر لیا۔ تاریخ میں محفوظ ہے کہ اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کا نمبر ساتواں ہے۔ (سیرت الصحابیات)

مشرکینِ مکہ کے مظالم: وہی کفار جو بعثت کے اعلان سے قبل حضور ﷺ کو صادق اور امین کہہ کر پکارتے تھے، اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی آپ ﷺ اور آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کے جانی دشمن بن گئے۔ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو بمطابق ''اصابہ'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی پیدائش پر ابوحذیفہ نے آزاد کر دیا تھا۔ (اصابہ: ج8، ص114)

لیکن پھر بھی یہ خاندان ابوحذیفہ کے ورثا کے زیرِ اثر تھا کیونکہ تب تک ابوحذیفہ انتقال کر چکا تھا۔ حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کے بیٹے عمار خود غریب الوطن تھے تو گویا ان سب پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑنے میں مشرکین کو کوئی چیز مانع نہ ہوتی۔ اس وقت حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ضعیف اور کبیر السن یعنی عمر رسیدہ تھے مگر ان کی قوتِ ایمانی اور استقامت، کفار کو چیلنج کر رہی تھی کہ ابوجہل جیسا مکروہ صفت کافر سردار بھی ان کے منہ سے ''احد! احد!'' کے سوا کچھ نہ نکلوا سکا۔

خاندانِ بنو مغیرہ ہر آن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو شرک پہ مجبور کرتا اور اکثر انہیں، ان کے شوہر اور بیٹوں کو لوہے کی زرہیں پہنا کر گرم تپتی ریت پہ لٹا دیتے۔ پشت کو انگاروں سے داغتے اور پانی میں غوطے دیتے۔

جنت کی بشارت: ایک دن سرکارِ کائنات ﷺ بنو مخزوم کے محلے سے گزرے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفار نے ایک ضعیف العمر خاتون کو لوہے کی زرہ پہنا کر گرم زمین پہ لٹا رکھا ہے اور خود پاس کھڑے ہو کر قہقہے لگا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں ''محمد ﷺ کے دین کو قبول کرنے کا مزہ چکھ''۔ آپ ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا، ''آلِ یاسر رضی اللہ عنہ! صبر کرو تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔''

حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کی وفات: کفار کے ظلم سہتے سہتے بوڑھے یاسر رضی اللہ عنہ ایک دن چل بسے۔ اب یہ خاندان بالکل بے آسرا تھا۔ لیکن مشرکین کو ذرا برابر رحم نہ آیا اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بیٹوں

عبداللہؓ اور عمارؓ پہ ظلم وستم کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا اور ان کے بچوں کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر ان کے حق میں دُعا فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''صبر کرو! الٰہی ! آلِ یاسرؓ کی مغفرت فرمادے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی۔''

شہادت: ایک دن حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا دن بھر سختیاں سہنے کے بعد شام کو گھر آئیں تو ابوجہل نے ان کو گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اس کو اس بات پہ شدید غصہ آیا کہ ایک کمزور بڑھیا اتنے بڑے سردار کے سامنے اپنی بات پہ ڈٹی ہوئی ہے اور اس سے ذرا برابر خائف نہیں ہے، اُسے اس قدر اپنی ہتک محسوس ہوئی کہ غصے میں بپھرا ہوا اُٹھا اور اپنا برچھا حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو کھینچ مارا۔ وہ اُسی وقت زمین پہ گریں اور شہادت کے رُتبے کو پا گئیں۔ یہ واقعہ ہجرت نبویؐ سے قبل کا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے شہید ہونے کا رُتبہ بھی آپؓ کے حصے میں آیا۔ (استیعاب: ج 2، ص 740) ایک اور روایت کے مطابق ابوجہل نے حضرت عبداللہؓ جو حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے بیٹے تھے کو بھی شہید کر دیا (تذکارِ صحابیات)۔

(بقیہ: صفحہ نمبر 32)

(بقیہ: ذِکرِ قلبی: صفحہ نمبر 40)

ان عبارات سے معلوم ہوا ہر وقت ہر حال ذکر، بکثرت ذکر، دوام ذکر پر مداومت (ہمیشگی، لطائف باطنیہ کو بیدار کرنے کے لیے ذکر قلبی ضروری ہے جس کا ایک طریقہ پاس انفاس ہے جو علما ربانی کا طریقہ رہا ہے)''

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ ''پاس انفاس شروع کردو اور تا عمر نہ چھوڑو، اور حتی الواسع کوئی سانس خالی نہ جائے اور ابتدا میں قبل جاری ہونے کے ایک وقت معین کر کے پاؤ گھنٹہ اور آدھ گھنٹہ اس کو کر لیا کرو۔ یہ اختیار ہے، خواہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ یا اس کے سوا جو چاہو سو کیا کرو۔

(۱) وہ پاس انفاس بتلاتا ہوں جس کی غالب تاثیر سرد ہے تا کہ گرمی میں تکلیف نہ ہو، وہ یہ ہے کہ جب سانس اندر جائے تو صلی اللہ علیک یا محمد ﷺ اور جب باہر آئے صلی اللہ علیک وسلم زبان تالو سے لگا کر خیال سے کہا کرو۔

(۲) پاس انفاس کی مجھے خاص طور سے تاکید ہوئی ہے یعنی بطریق وارد (مبادی التصوف)

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں۔ ''پاس انفاس کی اصلی غرض یہ ہے کہ انسان کا کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ رہے، نہ اندر جانے والا سانس نہ باہر آنے والا سانس۔ انسان دن رات میں تقریباً پچیس ہزار سانس لیتا ہے، سب کا سب ذکر سے معمور رہے، عمر عزیز کا جو حصہ بھی ذکر میں گزرے وہی زندگی ہے اور وہی مفید ہے۔'' (مکتوبات صفحہ 17 ج 3 صفحہ 93 بحوالہ شریعت وطریقت صفحہ 184)

حضرت مولانا موصوف قدس سرہ، حضرت مولانا محمد ایوب جان بنوری کے نام مکتوب میں لکھتے ہیں۔ ''پاس انفاس کی مشق اس قدر کریں کہ طبیعت ثانیہ بن جائے اور بلا اختیار و بلا ارادہ ہر وقت سانس اس طرح جاری رہے، سانس میں کوئی آواز یا تیزی پیدا نہ ہونی چاہیے، حسب عادت جاری ہو، زبان اور ہونٹ کو حرکت نہ ہونی چاہیے''۔

(ماہنامہ دارالعلوم ص 43-44 مئی 1988)

حضرت شیخنا المکرم حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان صاحب دامت برکاتہم اسی طریقہ ذکر ''پاس نفاس'' کی مشق کرا کے ذکر خفی قلبی کی دولت سے نوازتے ہیں۔

تربیتی مرکز: دارالعرفان منارہ واقع چکوال خوشاب روڈ حاضر ہو کر اس نعمت سے بہرور ہوں۔ رابطہ نمبر: 0543-562200 ہے۔

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 16

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ع خان، لاہور

ہجرت کا دسواں سال: حجۃ الوداع (بقیہ)

ان کے علاوہ چند اور احکامات یہ ہیں:۔

۱۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان ایک اخوت ہیں۔

۲۔ عورت کو اپنے خاوند کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دینا جائز نہیں، سوائے اس کے کہ قرض ادا کیا جائے، اُدھار لی ہوئی چیز واپس کی جائے۔

۳۔ ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے۔

۴۔ مجرم اپنے جرم کا خود ذمہ دار ہے، باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں اور نہ ہی بیٹے کے جرم کا باپ جواب دہ ہے۔

۵۔ اپنے پروردگار کی عبادت کرو، پانچ وقت نماز ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور میرے احکام کی اطاعت کرو، تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

خطبہ ارشاد فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ”کیا میں (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے؟ سب نے بیک زبان جواب دیا ”ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔“ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھا کر تین مرتبہ فرمایا ”اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔“

تکمیل دین کی خوشخبری:

خطبے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہوئی جس میں تکمیل دین کا مژدہ سنایا گیا: ”آج میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرمایا۔“

خطبۂ حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اندازِ بیان بالکل ایسا تھا جیسے کوئی رخصت ہونے والا انتہائی اہم اُمور کی یاددہانی کرا رہا ہو۔

ہجرت کا گیارہواں سال:

یہ وہ سال ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حقِ رسالت ادا کرنے کے بعد واپس اپنے رب تعالیٰ کی طرف تشریف لے گئے۔ چند روایات دوسری روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سات دن بیمار رہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تکلیف کا آغاز 29 صفر 11ھ کو جنت البقیع سے واپسی پر سر درد سے ہوا، پھر حرارت ہوگئی اور یہ تکلیف بڑھ گئی۔ جب تکلیف بڑھی تو آپؐ نے تمام ازواجِ مطہرات سے اجازت لے کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارک میں قیام فرمالیا۔ شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تمام نمازوں کی امامت خود فرمائی لیکن جب تکلیف نے شدت اختیار کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا کہ وہ نماز میں مسلمانوں کی امامت فرمائیں (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت میں آگے بڑھانے میں اس طرف لطیف اشارہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد وہ ہی منصب خلافت کے اہل ہیں)۔

جس دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وصال فرمایا، اُس دن چاشت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

کو بلوایا اور ان کے کان میں کچھ فرمایا جس پر وہ رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے پھر بلایا اور کچھ سرگوشی فرمائی تو وہ مسکرانے لگیں۔ بعد میں پوچھنے پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ (پہلی بار) نبی اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اسی مرض میں وفات پا جائیں گے، اس لیے میں روئی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا (دوسری جگہ) کہ آپ ﷺ کے اہل و عیال میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملوگی، اس پر میں مسکرا دی اور پھر ایسا ہی ہوا۔ آپ ﷺ کے وصال کے تقریباً چھ ماہ بعد ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی وفات پا کر نبی اکرم ﷺ سے جاملیں۔

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ مزاج پرسی کے لیے تشریف لائے تو اُن کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ ﷺ کو دانت مبارک صاف رکھنا اور مسواک کرنا بے حد پسند تھا۔ آپ ﷺ نے وہ مسواک لے کر دانت مبارک صاف فرمائے۔ اسی دوران دروازہ مبارک پہ دستک ہوئی اور کسی نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا دستک دینے والے پہ خفا ہوئیں کہ اس وقت کون ہے جو اندر آنے کی اجازت مانگ رہا ہے، دیکھتا نہیں کہ آپ ﷺ کی طبیعت مبارک ناساز ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ آپ ﷺ کے والدِ گرامی ﷺ ہی ہیں جن سے یہ اجازت مانگ رہے ہیں ورنہ یہ اجازت لے کر نہیں آیا کرتے۔ یہ حضرت عزرائیل علیہ السلام تھے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاضر ہوئے تھے تاکہ آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما جائیں۔

آپ ﷺ کے وصال مبارک کی خبر فوراً ہی پھیل گئی اور اہل مدینہ پر تو غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ کئی صحابہ کرامؓ سکتے میں آگئے، کئی اس خبر پر بے ہوش ہو گئے، وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے بے شمار غزوات و سرایا میں اپنی شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے تھے، اس خبر کو برداشت کرنے کی اپنے میں ہمت نہ پاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس خبر پر ایسے بیمار پڑے کہ اسی تکلیف میں وفات پا گئے۔ کئی صحابہؓ جو بیٹھے تھے اُن کے اعضاء ایسے جامد ہوئے کہ پھر وہ کھڑے نہ ہو سکے، اس سے بڑا اور عظیم حادثہ کوئی ہو نہیں سکتا کہ اُن جانثاران سے اُن کی محبوب ترین ہستی دنیا سے پردہ فرما گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی کہ جس نے یہ کہا کہ آپ ﷺ وصال فرما گئے ہیں، میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ اس وقت شدید غم کے باوجود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خود کو سنبھالا اور قرآن پاک کی یہ آیت مبارک تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: ''اور حضرت محمد ﷺ تو اللہ کے پیغمبر ہیں یقیناً ان سے پہلے (بہت سے) پیغمبر گزر چکے ہیں، پس اگر ان کو موت آجائے یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو اُلٹے پاؤں پھر جائے گا تو وہ ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا عطا فرمائیں گے۔'' (144:3)

اس پر صحابہ کرامؓ کی روتے روتے ہچکیاں بندھ گئیں۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ واللہ ایسا لگتا تھا کہ گویا لوگوں نے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تلاوت کی تو سارے لوگوں نے ان سے یہ آیت سنی اور اب جس کسی کو میں سنتا تو وہ اسی کی تلاوت کر رہا ہوتا۔

حضرت سعیدؒ بن مسیب فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ میں نے جوں ہی (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا، انتہائی متحیر اور دہشت زدہ ہو کر رہ گیا۔ حتیٰ کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے اور حتیٰ کہ (حضرت) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس آیت کی تلاوت کرتے سن کر میں زمین پر گر پڑا۔

آپ ﷺ کا روضۂ مبارک عین اس جگہ ہے جہاں آپ ﷺ کا بسترِ مبارک تھا کیونکہ جہاں انبیاء علیہ السلام کا وصال ہوتا ہے وہیں اُن کا روضۂ مبارک بنایا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا حلیہ مبارک:

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہؓ

سے حضور اکرم ﷺ کا حلیہ مبارک پوچھا، وہ حضور اکرم ﷺ کی صفات مبارکہ کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے۔

چہرۂ مبارک: آپ ﷺ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

قد مبارک: درمیانے قد والے آدمی سے تو قد مبارک میں کچھ اونچے تھے۔

سر مبارک: سر مبارک (اعتدال کے ساتھ) بڑا تھا۔

بال مبارک: سر کے بال مبارک کچھ بل دار تھے۔ اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ نکلی رہنے دیتے ورنہ مانگ نہیں نکالتے تھے۔

پیشانی مبارک: پیشانی مبارک فراخ (چوڑی) تھی۔

ابرو مبارک: ابرو مبارک خم دار اور بالوں سے پُر تھیں (جو خوبصورتی کی علامت ہے) دونوں ابرو مبارک جدا جدا تھیں یعنی آپس میں جڑی ہوئی نہیں تھی۔

پُتلی مبارک: پُتلی مبارک خوب سیاہ تھیں۔

ناک مبارک: ناک مبارک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک نور چمکتا رہتا تھا۔

داڑھی مبارک: داڑھی مبارک بھری ہوئی تھی۔

رُخسار مبارک: رُخسار مبارک نازک تھے اور نہایت ہی متناسب سے بھرے ہوئے تھے۔

دہن مبارک: دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ نہ تھا اور نہ ہی زیادہ فراخ تھا)۔

دندان مبارک: دانت مبارک باریک موتیوں جیسے (سفید چمکیلے) تھے اور سامنے کے دانتوں میں ذرا سا فاصلہ تھا۔

گردن مبارک: آپ ﷺ کی گردن مبارک خوبصورت اور نازک تھی جیسے کہ تراشی ہوئی ہوتی ہے۔ رنگت چاندی جیسی چمکتی ہوئی، سفیدی مائل گندمی تھی۔

اعضاء مبارک: آپ ﷺ کے تمام اعضاء مبارک، معتدل اور متناسب تھے۔ بدن مبارک مضبوط اور قوی تھا۔ دونوں کندھوں کے درمیان کچھ زیادہ فاصلہ تھا۔ سینہ مبارک چوڑا تھا۔ آپ ﷺ کی کلائیاں مبارک لمبی تھیں اور ہتھیلیاں چوڑی تھیں۔ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں مبارک مناسب لمبی تھیں۔ تلوے مبارک کچھ گہرے تھے یعنی چلنے میں زمین کو نہ لگتے تھے۔

آپ ﷺ جب چلتے تو قوت سے قدم اُٹھاتے۔ قدم مبارک زمین پر آہستہ آہستہ سے پڑتا تھا، زور سے نہیں پڑتا تھا۔ ذرا کشادہ قدم رکھتے تھے، چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے۔

گفتگو کرنے کا انداز: آپ ﷺ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی گفتگو شروع سے آخر تک تسلسل سے ہوتی، کٹے کٹے حروف نہیں ہوتے تھے۔ جامع الفاظ (جس کے الفاظ کم ہوں اور معنی زیادہ ہوں) کے ساتھ گفتگو فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی بات ہر معاملے میں آخری بات ہوتی تھی، جس کے بعد کسی بات کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔ آپ ﷺ کے کلام مبارک میں نہ ضرورت سے زیادہ بات ہوتی تھی نہ اتنی کم کہ بات ہی سمجھ نہ آئے۔ گفتگو کے وقت آپ ﷺ کسی کی طرف اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، انگلیوں سے اشارہ نہ فرماتے تو انگلیوں سے اشارہ تواضع کے خلاف ہے۔ جب کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن مبارک کو پھیر کر اس طرف توجہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نگاہِ مبارک نیچی رکھتے تھے۔ جس سے ملتے سلام میں خود ابتدا فرماتے تھے۔

(جاری ہے)

دعائے مغفرت

1) گوجرہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خالد حسین۔
2) جھنگ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی حافظ محمد یسین۔
3) فیصل آباد سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار محمد سلیم۔
4) بھوٹا کی، چکوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد احسان۔
5) سرگودھا سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد حسین بٹ۔
6) کوئٹہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی فقیر حسین۔

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

مسائل جمیلہ

خواتین کے تربیتی پروگرام

الاخوات لاہور

آج کے اس دور میں جبکہ معاشرہ اعلیٰ انسانی اقدار سے محرومی کا شکار ہو چکا ہے اور اخلاقی پستی اپنی انتہا کو چھو رہی ہے اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ معاشرہ کے ذمہ دار اور حساس طبائع کے مالک افراد آگے بڑھیں اور اپنی جملہ ذمہ داریوں کو سرانجام دینے کے لیے مستعد و سرگرم ہوں۔ مسئلہ کی سنگینی کے پیش نظر ضروری ہے کہ اس ضمن میں سابقہ کوششوں سے بڑھ کر کوشش اور ہمت کے اقدام اٹھائیں جائیں۔ خواتین میں اسی شعور کو بیدار کرنے کے لیے ''الاخوات'' اپنے حصے کا چراغ جلانے کی کوششوں میں دن رات مصروفِ عمل ہے۔

صدر الاخوات لاہور نے اپنی ذمہ داری کو احسن طریقہ سے نبھاتے ہوتے ہوئے چند ایسے مثبت اقدامات کیے ہیں جو نہ صرف ''الاخوات'' کی کارکنان میں شعور و بیداری کو پروان چڑھانے کا ذریعہ ہیں بلکہ ان سے منسلک دیگر افرادِ معاشرہ کی تعمیرِ شخصیت اور تطہیرِ اخلاق کا باعث بھی ہیں۔ مذکورہ ہدف کو حاصل کرنے کے لیے صدر صاحبہ نے نوجوان بچیوں کی تربیت کے لیے Glowing Hearts کے نام سے پروگراموں کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے۔

فی زمانہ خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیرنے کی سرتوڑ کوششیں کی جا رہی ہیں۔ آئے روز اخبارات کسی نہ کسی گھر کے ٹوٹنے، اجڑنے اور بکھرنے کی داستان سناتے نظر آتے ہیں۔ گھریلو تنازعات، خاندانی جھگڑوں اور طلاق کی بڑھتی ہوئے سطح نے افرادِ معاشرہ کی زندگی اجیرن کر دی ہے۔ ان سب سے چھٹکارا پانے کا واحد ذریعہ اسلام کے دامنِ عفو و کرم میں پناہ تلاش کرنا ہی ہے۔ یاد رہے ازدواجی زندگی کی حقیقی مسرتوں کا حصول کردار و عمل میں مثبت تبدیلی لائے بغیر ممکن نہیں، اور کردار و عمل کی مثبت تبدیلی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیے بغیر محال ہے جبکہ تعلق مع اللہ کو پانے کا مجرب ترین نسخہ ذکر قلبی ہے۔

Glowing Hearts کے نام سے منعقدہ پروگراموں کا یہ سلسلہ دخترانِ اسلام کو تعلق مع اللہ کی روشنی سے منور کر کے معاشرے میں اپنا مثبت کردار ادا کرنے کے قابل بنانا ہے تاکہ وہ اپنے اہل خانہ نیز قوم و ملت کی ترقی کا ذریعہ بن سکیں۔

اس سلسلے کا پہلا پروگرام ہفتہ 13 ستمبر 2014 کو زرینہ شاپنگ مال کی مسجد میں منعقد ہوا۔ اس کا عنوان ''میاں بیوی کے رشتے کی حقیقت'' تھا۔ شادی کے مقدس بندھن کے حوالے سے دخترانِ اسلام کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ اسلام میں نکاح کی اہمیت، اس کے ذریعہ قائم ہونے والے نئے رشتوں کا احترام اور ان کے حقوق کی پُرخلوص ادائیگی پر زور دیا جائے۔ الاخوات کی سپیکر خاتون نے نہایت آسان پیرائے میں اس رشتہ کی اہمیت کو اُجاگر کیا اور اس حقیقت کو واضح کیا کہ زندگی کا مقصدِ وحید اللہ تعالیٰ کی محبت و قربت کا حصول ہے۔ میاں بیوی کے رشتے میں استحکام کی صورت تبھی پیدا ہو سکتی ہے جبکہ دونوں صحیح العقیدہ ہوں اور مقصدِ زندگی کو پانے کی جدوجہد میں تندہی سے مصروفِ کار بھی۔ یہی جذبۂ صادقہ ان کے مابین حقوق کی ادائیگی کے نظام کو بہتر بناتا ہے، اور اسی جذبہ کی بدولت باہمی احترام، خیر خواہی اور بھلائی کے پاکیزہ احساسات فروغ پاتے ہیں۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ مرد و عورت کے حقوق و فرائض کا جو نظام اس نے متعین فرمایا ہے نہایت عادلانہ اور مبنی بر حکمت ہے۔ اسلام

نے عورت کو گھریلو امور کا نگران بنایا ہے۔ اس فریضہ کی خوشگوار ادائیگی کے لیے ضروری ہے کہ بیوی شوہر کی اطاعت گزار اور فرمانبردار ہو۔ شوہر کی آبرو اور مال واسباب کی حفاظت کو اپنا اولین فریضہ سمجھے۔ گھریلو معاملات کو تحمل، بردباری اور خوش اسلوبی سے نبھانے کو اپنا شعار بنائے، نیز اولاد کی اسلامی خطوط پر تربیت کرنا بھی خاتونِ خانہ کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔ اسی طرح اعزہ واقارب سے حسنِ سلوک اور صلہ رحمی، بزرگوں کی عزت اور چھوٹوں سے شفقت، کفایت شعاری اور سلیقہ مندی گھر کی فضا کو پرسکون رکھنے کے اہم ذرائع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو گھر کا قوام بنایا ہے جبکہ بیوی اس کی مشیر اور معاون کی حیثیت رکھتی ہے۔ بیوی کے لیے ضروری ہے کہ شوہر کی اس حیثیت کو دل وجان سے قبول کرتے ہوئے اسے اپنی طرف سے مکمل تعاون اور نصرت فراہم کرے تاکہ تعمیرِ انسانیت کا اہم کام بخوبی سرانجام پا سکے۔ شوہر پر صرف بیوی کے نان ونفقہ کا اہتمام ہی ضروری نہیں بلکہ بیوی کی دینی ضروریات کا خیال رکھنا بھی اس کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ علاوہ ازیں وہ بیوی کو احترام، محبت اور حفاظت مہیا کرنے کا ذمہ دار بھی ہے، جبکہ ایک سے زائد بیویوں کی صورت میں مقدور بھر عدل ومساوات سے کام لینا بھی اس پر ضروری ہے۔

الحمدللہ یہ پروگرام بہت کامیاب رہا۔ بچیوں کی خاصی تعداد اس میں شامل ہوئی اور بہت اچھا Feed Back موصول ہوا۔ بکس سٹال بھی لگایا گیا اور پروگرام کے اختتام پر مہمانوں نے خریداری بھی کی۔

اس سلسلے کا دوسرا پروگرام ہفتہ 18 اکتوبر 2014 کو زرینہ شاپنگ مال کی مسجد میں ہی منعقد ہوا۔ اس کا عنوان تھا A Wife Home Maker۔

سپیکر خاتون نے عورت کے لیے House Wife ہونے کی اہمیت کو اجاگر کیا اور اس مقام ومنصب کی عظمت کا احساس دلایا۔ انہوں نے واضح کیا کہ بیوی گھر کی بنیاد ہے، رونق ہے اور معمار ہے۔ وہ Home Maker ہے جو اسلام کی نظر میں اس کے لیے ایک عظیم مقام ہے۔

Glowing Harts کے اس دوسرے پروگرام میں سپیکر خاتون نے نہایت عام فہم اور شستہ انداز میں امور خانہ داری کی اہمیت کو واضح کیا اور سسرالی رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ بچیوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبر وتحمل، عفو ودرگذر اور جود وسخا جیسے اخلاق حمیدہ سے اپنے آپ کو آراستہ وپیراستہ کریں، کسی کی حق تلفی اور دل شکنی سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کریں اور اپنے قول وعمل اور انداز واطوار سے دوسروں کے لیے ہمیشہ راحت کا سبب بنیں۔ اپنے حصے کا کام محض رضائے الٰہی کے لیے مستقل مزاجی سے کرتی رہیں اور اجر کی امید صرف اللہ تعالیٰ سے رکھیں۔ ذکر الٰہی، ربط بالشیخ اور شریعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کریں۔ انہی وسائل کو بروئے کار لا کر آپ اطمینان قلبی کی دولت حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتی ہیں اور آپ کا پرسکون ہونا آپ کے ماحول کو پُرسکون رکھنے کا باعث ہے۔

سوال وجواب کے سیشن میں بچیوں نے سپیکر خاتون سے موضوع سے متعلق مختلف سوالات کیے اور تسلی بخش جواب پائے۔ ایک بچی کے اس سوال پر، کہ شوہر گھر سے باہر بے پردہ اور فیشن زدہ عورتوں کے ساتھ کام کریں جبکہ ہم گھر کی چار دیواری میں سادگی کو اپنا شعار بنائیں رکھیں تو ہم اس صورتحال کا مقابلہ کیسے کریں، سپیکر خاتون نے کہا کہ شوہر کے لیے زیب وزینت کو اختیار کرنا اور گھر کی فضا کو پرسکون بنائے رکھنا خاتون خانہ کی ذمہ داری ہے۔ اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھانے کی کوشش کریں تاکہ شوہر کی توجہ اپنے اہل خانہ کی طرف ہی مبذول رہے۔

مجموعی طور پر یہ پروگرام بھی کامیاب رہا۔ پروگرام کے آخر میں ذکر الٰہی کا اہتمام کیا گیا۔ بکس سٹال بھی حاضرین محفل کی توجہ کا مرکز بنا رہا۔ اللہ کریم ''الاخوات'' کی ان جملہ کاوشوں کو قبولیت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

(بقیہ: صفحہ نمبر 15)

سالانہ پروگرام سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

۱۴۳۶ـ۱۴۳۷ ہجری بمطابق 2015ء

تاریخ	تاریخ قمری	ایام	تفصیل	کیفیت
4-3 جنوری	۱۳ـ۱۴ ربیع الاوّل	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل اور جلسہ بعثت عالی ﷺ
8-7 فروری	۱۸ـ۱۹ ربیع الثانی	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
8-7 مارچ	۱۷ـ۱۸ جمادی اوّل	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
5-4 اپریل	۱۵ـ۱۶ جمادی الثانی	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
2 مئی	۱۴ رجب المرجب	ہفتہ	آغاز سالانہ اجتماع	
7 جون	۲۰ شعبان المعظم	اتوار	اختتام سالانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
18-8 جولائی	۲۰ـ۳۰ رمضان المبارک	منگل/جمعہ	اعتکاف رمضان المبارک	
2-1 اگست	۱۶ـ۱۷ شوال المکرم	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
6-5 ستمبر	۲۲ـ۲۳ ذوالقعدہ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل
4-3 اکتوبر	۲۰ـ۲۱ ذوالحجہ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
8-7 نومبر	۲۵ـ۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۷ھ	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	
6-5 دسمبر	۲۳ـ۲۴ صفر المظفر	ہفتہ/اتوار	ماہانہ اجتماع	اجلاس جنرل کونسل

ہدایات:

۱۔ بروز ہفتہ احسن ہے کہ عصر کے اجتماعی ذکر میں شامل ہوں یا شام سے پہلے مرکز پہنچ جائیں۔ موسم کے مطابق اپنا بستر ہمراہ لائیں۔

۲۔ 5-4 جولائی کو ماہانہ اجتماع بوجہ رمضان المبارک منعقد نہ ہوگا۔

۳۔ اعتکاف / عیدین چاند کی تاریخوں سے مشروط ہیں۔

۴۔ جنرل کونسل کے علاوہ ہر ماہانہ اجتماع پر اجلاس الاخوان پنجاب منعقد ہوگا۔

8-11-14

دستخط حضرت شیخ المکرم

علومِ جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج، اقبال کے شاہینوں کا مسکن، راولپنڈی بورڈ اور
پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق سے مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے

پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

پری کیڈٹ تا ایف ایس سی

صقارہ
سائنس کالج

داخلہ جاری ہے

پری میڈیکل، پری انجینئرنگ	داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1	پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت
ہاسٹل کی سہولت بہترین ماحول	صحت افزاء مقام	شاندار مستقبل کے لئے نادر موقع

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ
چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک
قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام

پرنسل حاجی محمد خان ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ (ریٹائرڈ ایگزیکٹو آفیسر محکمہ تعلیم گورنمنٹ آف پنجاب)
مزید معلومات کے لئے براہ راست رابطہ کریں۔ صقارہ سائنس کالج دارالعرفان، منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200
FOR FEED BACK: SIQARIAH@SIQARIAHEDU.COM, SIQARAHEDU.COM
VICEPRINCIPL@SIQRAHEDU.COM , VISIT AT: WWW.SIQARAHEDU.COM

خوشخبری
حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرّم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کیلئے انتہائی مؤثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر — Cholestro Care — Rs.300
کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے

Cough E2 — Rs.30
کھانسی کیلئے گولیاں

پین گو — Pain Go — Rs.100
مالش کیلئے
ہر طرح کے درد کیلئے مفید ہے

کیوریکس — Curex — Rs.225
کھانے کیلئے
جوڑوں کے درد اور کمر کے درد سمیت ہر قسم کے دردوں کیلئے

ہیر گارڈ آئل — Hair Guard Oil — Rs.500
بالوں کی صحت کیلئے مفید ہے

Detergent Super Wash — Rs.75

Shampoo Hair Care — Rs.160

0321-6569339

ملنے کا پتہ
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال فون: 0543-562200
17- اویسیہ ٹاؤن شپ، لاہور فون: 042-35182727

two snowflakes resemble in their crystals. This means that we, as his slaves are in no position to dictate what and how things are to be done. He has allowed us to share our opinion and our desires with Him-swt and to inform Him-swt of our needs and wishes.

However, the things about which we do not know, in the system of Universe, we cannot dictate Him-swt, neither do we deserve that. Similar to the example of a snowflake, we are unaware of what is inside a single raindrop, and the complex machinery inside a single leaf of a plant. Despite all His-swt Greatness, He-swt has allowed us to talk to Him-swt, share our sorrows and happiness and present our own opinion according to our own understanding. However, He-swt has already stated that the system of the Universe will only work as dictated by His-swt Commandments, because Heswt have Created everything and only He-swt Know how everything has to function. Therefore, we cannot insist on things which we desire, because there is no place for it.

This is purely His-swt blessings upon us that He-swt has allowed us to pray to Him-swt about our wishes, and He-swt is pleased by our supplications, no matter how much we ask Him-swt. Every supplication becomes a blessing for us, both in this world and on the Day of Judgment.

In fact supplications, prayers and requesting Allah-swt for our wishes and requirements, is the essence of all the worships, because it means that we believe in His-swt Greatness and our nothingness.

So my brother, do not get disappointed as He-swt has blessed you with the ability to stand in His-swt Court and share your worries with Him-swt. Isn't this blessing enough for you that you have been standing in His-swt Court for twenty years, sharing your wishes and conversing with Allah-swt, in isolation.

There are principles of supplication and its completion. Either it is answered instantly in the same form as requested, or it is delayed, accepted in another form and blessed with something else, It is either deposited for a reward on the Day of Judgment or even if nothing happens, a person, a believer of a miniscule value on Allah-swt gets the chance of conversing with Allah-swt. He shares his pains and gratitude with Him-swt. So miniscule is the value of a human being, that if you write it in decimal notation, you will get short of digits to reach the value of a human being in comparison to the other components of the Universe. Such is the position of a human being, and despite these weaknesses, He-swt blessed you with the presence in His-swt blessed Court, for twenty years, Now instead of being grateful, you say that it has shaken your faith in Allah-swt. It should have raised your faith to extreme heights by knowing how Gracious our Rabb-swt is, that He-swt has allowed you in His-swt Court for years and listened to your prayers with patience, despite having the power to stop you from talking anymore. He-swt never stops anybody from praying and supplicating, rather He-swt encourages you.

So, the objective of a supplication is the attainment of the Divine Cognition and the Nearness of Allah-swt. Supplication is the essence of worship and it must be done, however, a supplication should not be thought of as a command rather a humble request.

Moosa(AS)'s eagerness for conversation in the Court of Allah-swt made him(AS) prolong his conversation. This is the point which the poet has tried to explain in the verse من از ذوق حضوری طول دادم داستاں را, that it was the pleasure of your presence that I prolonged the talk. We should also realise the beauty of those blessed moments of isolation and presence in the Court of Allah-swt, hymning those gentle words in humility and love in front of Him-swt, that are deep within the abyss of our heart which nobody except Allah-swt can listen to them. The angels could only write those words which are uttered by the tongue and not those feelings and thoughts which are deep within the heart, as is stated in the Holy Quran مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ 50:18 [کہف] 'Not a word does he utter but there is a sentinel by him, ready(to note it).So those feelings and words which arise in the heart are only between you and Allah-swt, the Most Gracious. If a supplication is seen from this viewpoint, then no matter what you get in return, the mere presence in the Court of Allah-swt is enough for a believer to cherish. This is the reason behind the saying of the Holy Prophet(SAWS) that a supplication is the essence of all worships.

So my brother, if a person, whom Allah-swt, wanted in His-swt Presence for twenty long years, as a supplicating bondmen, now wants to break this sacred relationship; What could be said about such a situation? In reality, for the last twenty years, you have been conversing with a God which was a figment of your own imaginations, rather than the One-swt, Whom-swt we have been taught by the Holy Prophet(SAWS). Had you been supplicating to Allah-swt about whom the Holy Prophet(SAWS) has taught us, you must have realised the pleasure of your conversation with Allah-swt!.

The system of this Universe is very vast and every particle in it is connected to every other particle in a very delicate bond. Such a relationship could only be the work of Allah-swt and nobody else.

There was a Russian scientist whose research was based upon the intricate delicacies of a snow flake. These water droplets which freeze in the air and form the snow, condense into specific crystalline shapes. They are very difficult to be captured in their actual shapes and then later studied because they melt so quickly and change their original form. However, this scientist made some chemicals which could retain the snowflake in its condensed form and then he studied it. He described that in a single snowflake, there are hundreds of millions of crystals and the shape of every crystal is different than the other. Moreover, he stated that the crystalline shapes in every snowflake and the hundreds of millions of snowflakes are different from each other. No single crystal shape matches another one in the millions of tons of snow. I have collected some of the pictures of his snowflake crystals which I want to share with all of you because they are very beautiful and thought provoking.

So is it our position, to counsel such a Creator, the Most Gracious for managing the tasks of the Universe. These snowflakes and the beautiful world inside them are His-swt creation, of which we are unaware, and as said earlier, no

The Objective of Supplication

Translated speech of his eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

8th December 2013

From Previous Month

The fourth aspect about the gains of a supplication is whenever a person is praying about something, then as stated in Hadith (فَاِنَّهُ يُنَاجِىْ رَبَّهُ), those are the moments of a conversation with Allah-swt. And let's suppose that nothing is rewarded in return for your supplications, still the merits of those moments of a gentle conversation with Allah-swt are unmatched by anything in this Universe. We as humans are more attracted towards worldly gains. If someone ever gets a one to one meeting with the country's ruler, he would brag about it for the rest of his life even if that meeting was of no material benefit. Now we can imply these worldly facts about the one to one meeting with Allah-swt and then we can imagine the greatness and preciousness of those moments spent on supplicating in the Court of Allah-swt.

A prayer or a supplication is not only demanding things and obtaining them in some material form. The things which are far more precious than the material gains are those moments spent while we have a conversation with Allah-swt.

بیك لفظِ تواں گفتن تمنّائ جہانِ را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانِ را

'The entire issues of the world and long discussions about anything could be answered, simply by a single word'Yes' or'No'. However, the pleasure of having a conversation with the beloved is so intense that it becomes a necessity to prolong the conversation. The respected commentators of the Holy Quran state in the code of etiquettes that an answer should be precise and brief for any query which is asked by the Beloved. Considering the Prophets(AS) as the most obedient and loving among all the mankind, one can imagine their etiquettes in the Court of Allah-swt, the Most Gracious.

There is a reference of Hazrat Moosa(AS) in the Holy Quran, while he(AS) was summoned by Allah-swt and asked وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ, 20:17 (طٰهٰ) "What is it in your(AS) right hand, O' Moosa(AS)." The answer given was, as is stated in the next verse قَالَ هِيَ عَصَايَ, "it is my staff"; now logically the answer was complete, brief and precise. However, Hazrat Moosa(AS) continued talking about his(AS) staff and as stated next in the same verse أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ, 20:18, (طٰهٰ) "I lean on it and with it I beat down leaves for my sheep and many other uses have I for it." This is where the pious commentators of the Holy Quran have explained the length of Hazrat Moosa(AS) reply and they have raised the point not as an issue of respect, but of love and eagerness. The commentators explain that Hazrat

and his instructions were that everyone should take their own food along with them. This Jalsah was also attended by Hazrat Ji rua's associates.

The poverty of the host was so profound that he had to ask his neighbours to contribute towards the meal of the guests. Everyone slept on the floor and the Jalsah was held the next morning. Seated on the stage along with Hazrat Ji(rua)were Hazrat Ameer al Mukarram (mza) and Qazi Ji(rua),and Hazrat Ji(rua) was surrounded by a large band of his devotees. While recounting about this Jalsah, Hazrat Ji(rua) would explain: If the villagers had been presented with the proofs of the Holy Prophet(saws) being Allah swt's Final Prophet they would not have understood. Therefore, keeping in view the intellectual level of the locals, I used Mirza Qadiyani's own writings to sketch his character and present it to the public in such a manner that the residents of that town renounced Qadiyaniat'.

At the end of this sketch, Hazrat Ji (rua) included the Mirza Qadiyanis claim about Mohammadi Begum being his lawful wife that his Nikah had been performed by Allah swt in the heavens, with the Angels acting as the witnesses, and that she would be given to him in Jannah.

After presenting this account in Mirza's own words Hazrat Ji rua added'‚Oh landlords, tell me yourself. Allah(swt) setup the Nikah, the Angels acted as the witnesses, and that too the Nikah of a(so called) prophet! But then, who whisked this woman away A small landlord took away the'wife' of a prophet, while Allah swt was watching helplessly, the prophet looked on helplessly, the Angels also kept on looking helplessly, and a Jat(villager farmer) retained the prophet's wife! And now(according to him) Allah says: 'Don't worry I will give her to you in Paradise'.Wow! So, while in this world, was it Zina(adultery) that was being done. Wasn't it'

The listeners unanimously voiced, 'Yes, it was 'Zina' that was taking place'.

Then, Hazrat Ji(rua) in his specific Mianwali dialect exclaimed',Then she has been duly washed'!

This style of expression proved very effective, the villagers renounced Qadianiyat, they sent the two female preachers packing back to Rabwah and crumbled the aspirations of the Qadiyanis to make Pichnand the second Rabwah.

Similarly a Qadiyani preacher bought some land in Thammay Wali in Mianwali District and started preaching in the surrounding area. Hazrat Ji(rua) convened a Jalsah, which went on from ten in the morning up to the time of Zuhr Salah. In his address, Hazrat Ji (rua) drew such a picture of Mirza Ghulam Ahmed Qadiyani that the Qadiyani preacher left the area in extreme shame.

Hazrat Ji (rua) holds the special distinction of not only claiming to show the Mirza's condition in the grave but also actually demonstrating it, which is the last word in the chapter of the claims of the Ahl Allah for the rebuttal of Qadiyaniat.

(To be Continued)

which can neither be answered, nor does anyone have the courage to test. Hazrat Mehr Ali Shah(rua's) claim was of this specific category.

The same situation arose during the packed hearing of a lawsuit at Bahawalpur. This was the first legal suit against the Qadiyanis, in which they were declared Kafirs. In this case too Maulana Abu al Wafa Shahjahanpuri(rua) was representing the Muslims, whereas Sayyed Anwar Shah Kashmiri(rua) was presenting the case. Suddenly he turned to the Qadiyani lawyer and challenged him,'If you want I can show here, in this very courtroom that Mirza Qadiyani is burning in Hell.'

This claim by Hazrat Sayyed Shah Kashmir (rua) was made as the representative and lawyer of our illustrious Master, the Final Prophet (saws). Who could have had the courage to ask for a practical demonstration.

In a Jalsah against the Qadiyanis, this claim was also repeated by Hazrat Ji(rua) that he could show them Mirza Qadiyani's end and his condition in the grave.

The Holy Quran mentions the challenge of a Mubahelah(a meeting of contending parties where Allah's curse is invoked on the party that is lying) of our illustrious Master, the Holy Prophet (saws) in which the Christian delegation did not have the courage to respond to the challenge which was an admission of their defeat. Similarly, to prove Mirza Qadiyani's prophet-hood claim as false, when Hazrat Mehr Ali Shah (rua) ,Sayyed Anwar Shah Kashmiri(rua) and Hazrat Ji rua, along with furnishing proof, also made the claim that they could practically demonstrate the end and condition of Mirza Qadiyani in the grave, the Qadiyanis instead of accepting the challenge, took to their heels. This is now a part of recorded history, as their admission of defeat.

In 1963 ,a memorable Jalsah was convened in Hazrat Ji(rua's) area to disprove the Qadiyani creed. Pichnand is a famous town on the Talagang-Mianwali road where the Qadiyanis had an opportunity to make a breakthrough. Not only did some influential landlords become apostates, but also their influence led many simple-minded villagers astray. These people set up a charity hospital here and also opened a school to mislead future generations. Training programs were introduced for men, and two females from Rabwah were sent to preach to the women. These females were like venom for the Iman of both the men and women alike!

Pichnand, due to its central location, was eyed by the Qadiyanis as a strategic place, for establishing a regional sub-headquarter of Rabwah, to facilitate extending their tentacles to the districts of Attock, Chakwal, Talagang, Mianwali and Khushab. Sensing the intentions of the Qadiyanis, the Khatm-e Nabuwat Tahreek organized many public assemblies but these did not lead to any real reformation in the area. A poor person from Pichnand came to Hazrat Ji rua and explained the situation to him, whereby Hazrat Ji rua convened a Jalsah there. About 400 men from Chakrala accompanied Hazrat Ji(rua)

Hayat-e-Javidan **Chapter 22**

A Life Eternal(Translation)

FromPreviousMonth

Abu al Wafa Shahjehanpuri r u a) was nominated for question answer session of the Manazara. He asked the Qadiyani Manazir,

'The Prophets as are not bound by the laws of any government. They do not like those laws, do not obey them, neither do they allow others to follow those laws. They obey only the Law that is sent down to them from Allah (swt) but it seems that Mirza Qadiyani has espoused the law and customs of the British.'

The Qadiyani Manazir replied.

'When the emissaries of Musailimah Kazzab came to the Holy Prophet (saws), they revealed on his (saws), interrogation that they considered Musailimah a messenger. The Holy Prophet(saws) replied: Had there not been a precedent of not killing an envoy, I would have had you beheaded, however there is this prevailing custom that envoys are not to be harmed.'

By the above example, the Qadiyani nominee tried to prove that the Holy Prophet(saws) had accepted the custom of the day, and if Mirza Qadiyani was also doing so, what offence did he commit.

This reply silenced Abu al Wafa Sahib and he could not formulate a suitable answer.

Shah Sahib-rua was seated nearby, in extreme passionate fury he turned to the Qadiyani Manazir and said',Oh you ignorant one! You are standing before a library and are lying. You do not even possess this much knowledge that when the Holy Prophet (saws) approved this action it became part of Shari'ah, it became an element of the Deen. How did it remain a custom anymore The moment he(saws) said':This is a prevailing custom and I uphold it at the same instant it became a part of Deen. What'custom' are you talking about?

After the Manazara, as Shah Sahib (rua) was coming out through the doorway, that person(Manazir)was also walking along with him. Shah Sahib(rua) caught hold of him and said',You possess much knowledge, why are you following such an ignorant, useless and irreligious man You are following a Kazzab(liar'!)

He replied weakly',But I consider him a prophet.'

Hazrat Shah Sahib(rua) replied, 'What, if I show you that he is lying in Hell, will you then believe. I'll show you, just now that he is in Hell.'

He replied',I don't possess the courage.'

At times the Aulia Karam are inspired by Allah(swt),to make a claim

Saffar 1436h
December 2014
ماہنامہ
المُرشِد
اللہ
رسول
محمد
عَنْ اَبِی مُوسٰی قَا لَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ لَوْ اَنَّ رَجُلاً
فِیْ حِجْرِہٖ دَرَاھِمُ یَقْسِمُھَا وَاٰخِرُ یَذْکُرُاللّٰہَ کَانَ
ذَاکِرُ اللّٰہِ اَفْضَلُ (رواہ الطبرانی)
The Prophet(S.A.W) Said that if a person has a lot of wealth and he spends it (in the right cause) and another person remains engrossed in Allah's Zikr, the later is superior
What does the term Fana-Fir-Rasul (SAWS) mean? It simply means that our personal opinions cease to exit and only the Opinion of Allah's Messanger (SAWS) prevails.
Monthly Speech Oct, 2014. Page 12
Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA
MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے
آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255